من بارگاہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

سبحانہ تعالیٰ

مقصودِ کائنات

مؤلفہ

امام المتکلمین والمحققین علامہ حافظ محمد ایوب صاحب دہلوی قدس اللہ سرہٗ

ناشر

مکتبۂ رازی ۱۱۶۰ پیر الٰہی بخش کالونی

کراچی

نایاب الکتاب کراچی

طبع دوم

ھدیہ بارگاہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

مقصودِ کائنات

امام المتکلمین و محققین علامہ حافظ محمد ایوب صاحب دہلوی
قدس اللہ سرہٗ

کے

بصیرت افروز، روح پرور مقالات

مکتبۂ رازی
۱۱۶۰ - پیر الٰہی بخش کالونی - کراچی

(ایجوکیشنل پریس کراچی)

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی

سابق وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی

زیبا منظر ا۔ شرف آباد
شہید ملت روڈ۔ کراچی ۵

علامہ حافظ محمد ایوب صاحب مرحوم و مغفور کی خدمت میں جن اہل علم کو حاضری کا موقع ملتا تھا وہ ان کے تبحر علمی کے گرویدہ ہو جاتے تھے اس کا سبب یہ تھا کہ علامہ موصوف کو علوم معقول و منقول میں حیرت انگیز دستگاہ تھی اس زمانے میں ایسے علما جو علم کلام میں اس درجہ امتیازی قابلیت کے حامل ہوں نظر نہیں آتے۔ منطق و فلسفہ اور قرآن وحدیث کے علوم کا ایسا امتزاج دوسروں کی تصانیف میں مشکل سے ملتا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ مولانا کا علم اسقدر حاضر تھا کہ ان کی تقریر معانی و معارف سے لبریز ہوتی تھی۔ وہ بے تکان مسلسل ایسی علمی تقریر کرتے تھے کہ دوسروں کو عرق ریزی اور مطالعے کے بعد بھی تحریر تک میں وہ بات پیدا کرنی دشوار ہوتی تھی۔ ان کے برجستہ ارشادات نکات وحقائق کا خزینہ ہوتے تھے۔ ان کی تقریروں کے ملخص دو کتابیں "ختم نبوت" اور "فتنہ انکار حدیث" اگرچہ مختصر ہیں لیکن ہرچہ بقامت کمتر بہ قیمت بہتر کی پوری طرح مصداق ہیں۔

مکتبۂ رازی نے ان دونوں کتابوں کو شائع کر کے کثیر تعداد میں تقسیم کیا ہے اور ان سے ہزاروں مسلمان فیضیاب ہوئے ہیں۔

اول الذکر کا انگریزی ترجمہ بھی ہوا ہے اور نظر ثانی کے بعد انشاء اللہ عنقریب شائع ہو جائے گا اور فرانسیسی زبان میں ترجمہ کی پوری کوشش ہو رہی ہے حضرت علامہ کی تقریروں کے ٹیپ ریکارڈ موجود ہیں جن سے بہت سے قابل اشاعت اور گراں قدر رسالے مرتب ہو سکتے ہیں۔ ان کے معتقدین میں علما اور دیگر مخلص افراد کی ایسی جماعت موجود ہے جو اس خدمت کو عبادت سمجھ کر انجام دے رہی ہے۔

اس جذبۂ خدمت کا ایک ثمر "مقصود کائنات" بھی ہے جو بہت سے دینی حقائق پر مشتمل ہے لیکن جس کا ماحصل یہ ہے کہ مقصود کائنات حضور ختمی مرتبت کی ذات گرامی تھی۔ اس لیے کہ انہی پر اعلیٰ ترین افضال الٰہی کا خاتمہ ہوا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ بنی نوع انسان کو ایمان کے ذریعے سے ضلالت و گمراہی کی ظلمت سے نکال کر رشد و ہدایت کے نور میں داخل کرنے کا جو اہتمام مشیت الٰہی کی طرف سے ہوا تھا اس کا کمال حضورؐ ہی کی وساطت سے عالم شہود میں آیا۔ میں نے اس کتاب کے مسودہ کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے اس میں قول وفعل الٰہی کے رشتے اور مقام اسلام اور دیگر ادیان کا تعلق و امتیاز تمام مخلوقات بالخصوص ملائکہ پر انسان کی برتری اور اس قسم کے دوسرے مباحث پر قرآن کریم کی روشنی میں فلسفیانہ بحثیں ہیں۔ جن سے مسلمانوں کے کلاسیکی علم کلام کی عظمت دلنشیں ہوتی ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جن طبائع کے لئے یہ علم کلام عالم وجود میں آیا تھا اس میں فلسفیانہ مسائل اور عوامق کو سمجھنے کی کس درجہ صلاحیت موجود تھی۔ فی زمانہ منطق و فلسفہ کی کساد بازاری کی وجہ سے نیز فکر کی افتاد بدل جانے کے باعث ان کتابوں کی تصنیف ناممکن ہوگئی ہے۔ اس عمق کے باوجود تحریر ایسی نہیں ہے جو معمولی استعداد کے قاری کے فہم سے بالاتر ہو۔ اور وہ اس سے استفادہ نہ کرسکے البتہ یہ کتاب ایسی نہیں ہے کہ اسے سرسری طور پر پڑھ لیا جائے۔ بلکہ اس کے مطالب فکر کی دعوت دیتے ہیں اور ذہن کو مزید جستجو کی طرف راغب کرتے ہیں۔ لیکن فکر و جستجو کو دونوں کو داہی نہیں چھوڑ دیتے بلکہ ان کی رہنمائی کرتے ہیں۔ ہر زمانے میں حقائق کا فہم اس عہد کے فکر کے ماتحت ہوتا ہے جس میں عصری رجحانات کو بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت نہیں بدلتی۔ نہ اس کا ادراک بدلتا ہے۔ صرف محاورہ اور الفاظ میں تبدیلی واقع ہوتی ہے اس کتاب کا طرز تخاطب کلاسیکی ہے۔ لیکن حقائق وہ ہیں

جو ہر زمانے میں دعوت مطالعہ دیتے رہیں گے۔ اور استواری عقیدہ میں معاون ہوں گے۔ اسلام کی عظمت اور تعلیم کی عمدگی پوری طرح سمجھ میں اس وقت آتی ہے جب اس کی ہمہ گیری اور رفعت کا گہرے مطالعے کے ذریعے سے اندازہ لگایا جائے۔ میرا خیال ہے کہ مقصود کائنات کے مطالعہ سے اس مطالعہ کے اسلوب واضح ہوں گے۔

اشتیاق حسین قریشی
۱۷ر اگست سنہ ۱۹۷۲ء

ہمارا مقصد

خالص علمی سطح پر دلائل و براہین کے ساتھ مخالفین اسلام کے پھیلائے ہوئے مغالطوں کا جواب دینا اور اسلامی عقائد و تعلیمات کی حقیقی روح سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا۔

حضرت علامہ اس دار فانی سے رحلت پا چکے ہیں اس لیے قارئین کرام سے استدعا ہے کہ وہ حضرت کے لیے ایصال ثواب کریں۔ (ادارہ)

یہ کتابچہ مولوی صاحب کے ٹیپ ریکارڈ کی ہوئی تقریر سے نقل کیا گیا ہے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں شیطانِ مردود سے یہ اعوذ جو ہے یہ عوذ سے مشتق ہے اس کے معنی چمٹنے اور فریاد کرنے کے ہیں۔ اعوذ کے یہ معنی ہوئے کہ میں چمٹتا ہوں یا فریاد کرتا ہوں، دونوں معنی لگتے ہیں۔ چمٹنا تو وہ ہے کہ نابالغ بچہ جب ڈر جاتا ہے کسی بری شے سے وہ باپ کو استاد کو یا کسی بڑے کو جا کر چمٹ جاتا ہے اور جو بڑا ہوتا ہے بالغ ہوتا ہے وہ فریاد کرتا ہے کہ اس کے شر سے مجھے بچاؤ۔ دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔ اللہ سے میں چمٹتا ہوں یا فریاد کرتا ہوں۔ کس سے؟ شیطانِ مردود سے۔ شیطان تو اس قابل نہیں ہے کہ اس سے پناہ مانگی جائے یا اس سے ڈرا جائے، یا وہ کوئی بری چیز نہیں ہے، کیونکہ وہ بہت عرصے جنت میں فرشتوں کے ساتھ رہا۔ اس لیے بذاتہ وہ بری چیز نہیں تھا بلکہ من الشیطان الرّجیم میں شر کا لفظ محذوف ہے۔ من الشر الشیطان الرجیم یعنی شیطان کے شر سے جو شر اس سے بعد میں ظاہر ہوا اس شر سے میں پناہ مانگتا ہوں۔ نفس شیطان میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ اس لئے کہ جس قدرت سے شیطان بنا ہے یہ وہی قدرت ہے جس سے ملائکہ اور انبیاء علیہم السّلام بنے ہیں۔ ایک ہی قدرت کے دونوں نتیجے ہیں۔ جہاں تک قدرت کا تعلق ہے دونوں کے دونوں ہی ایک قدرت سے بنے ہیں اس لئے اس میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ خرابی اس کے شر میں ہے اور وہ شر کیا ہے؟

جس وقت یہ حکم ہوا وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ (البقرہ ۳۳)

اور جب کہا ہم نے فرشتوں سے سجدہ کرو آدم کو فَسَجَدُوْٓا پس سب نے سجدہ کیا،

اِلَّآ اِبْلِیْسَ بجز ابلیس کے لَمْ یَکُنْ مِّنَ السّٰجِدِیْنَ (الاعراف ۱۱) وہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قَالَ مَا مَنَعَكَ اَنْ لَا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ۔ (اعراف ۱۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا تجھے کس چیز نے منع کیا سجدہ کرنے سے میرے امر کے بعد قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ۔ (اعراف ۱۲) شیطان نے کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں اور اپنے اس دعوے کے ثبوت میں یہ کہا کہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا اور یہ مقدمہ یہاں محذوف ہے کہ آگ بہتر ہے مٹی سے، اور بہتر سے جو چیز بنائی جائے گی وہ بہتر ہو گی اُس شئے سے جو بدتر سے بنائی جائے۔ چونکہ میں آگ سے بنا ہوں اور آدم مٹی سے بنا ہے اس لئے میں آدم سے بہتر ہوں۔ یہ مقدمہ یہاں مذکور نہیں ہے۔ مطلب یہ ہوا اس کا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ کہا کہ کوئی شئے مانع نہیں ہے۔ پھر بتا کس وجہ سے تو نے سجدہ نہیں کیا۔

شیطان نے کہا درحقیقت یہ امر جو ہوا ہے یہ لاقانونی ہے، خلافِ قانون ہے۔ قاعدہ تو یہ تھا کہ میں بہتر تھا مجھ کو سجدہ کرایا جاتا۔ یہ بدتر تھا یہ ساجد ہوتا اور اس نے اپنے بہتر ہونے کی یہ دلیل بیان کی کہ میرا مادّہ اس کے مادّہ سے بہتر ہے۔

چونکہ یہ دلیل غلط تھی کہ اس نے استدلال کیا اپنے مادّہ کی خوبی سے اپنی خوبی پر۔ یہ ہے اس کی شیطنت، یہ ہے اس کا شر۔

اللہ نے جواب دیا کوئی شے مانع نہیں ہے۔ دِقّت اس میں کیا تھی؟ اس کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ یہ جتنے محاسن ہیں اور حسن ہیں یہ سب اشیاء کی صفتیں ہیں، فلاں شئے اچھی ہے، فلاں سے بُری ہے۔ چیزوں کی اچھائی اور بُرائی، اچھے اور بُروں کی خصلتوں کی صفت ہے۔ اور یہ جتنے واقعات ہیں جتنے حقائق ہیں یہ سب اللہ تبارک و تعالیٰ کے افعال ہیں۔ اللہ ان کا فاعل ہے اور یہ آیات جو ہیں الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ سے وَالنَّاسِ

تک ۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اقوال ہیں ۔ یہ زمین اور آسمان، سورج، چاند وغیرہ یہ سب اشیاء ہیں ۔ یہ سب اس کے افعال ہیں، تو شیطان نے قول الہٰی کو فعلِ الہٰی کے تابع کر دیا کہ جو فعل اچھا ہو اُس کے ماتحت حکم اور قول ہونا چاہیئے ۔ یہاں معاملہ الٹا ہو گیا ۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کر ۔ اس حکم کو اس نے نہیں مانا، اور یہ کہا کہ چونکہ یہ حکم بے قاعدہ ہے ۔ قاعدہ یہ ہونا چاہیئے تھا کہ جو اچھی چیز ہے اسے سجدہ کیا جائے اور جو بُری چیز ہے وہ سجدہ کرنے والوں میں ہو ۔ یہ بات شیطان نے بیان کی تو اُس نے کیا کیا؟ اس نے یہ کیا کہ قولِ الہٰی کو فعلِ الہٰی کے تابع کر دیا، وہ جو اللہ تعالیٰ کا قول تھا کہ سجدہ کرو آدم کو ۔ اس حکم کو اس نے تابع کر دیا ۔ حقائق کے واقعات کے جو فعلِ الہٰی ہیں، اسی غلطی کا نام شیطنت ہے ۔ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ (البقرہ ۳۴) یوں وہ کافروں میں سے ہوا ۔ پہلے وہ ملائکہ میں شامل تھا، سجدہ کے حکم میں بھی شامل رہا ۔ جنت میں بھی شامل رہا اور جو ملائکہ کی حالت تھی وہ اس کی بھی حالت تھی ۔ اس کی شیطنت اور اس کا شر یہ ہوا کہ اس نے قول (امر) الہٰی کو فعلِ الہٰی کے تابع کر دیا ۔ یہ غلطی ہوئی ہے ۔ اس سے اور یہی غلطی تمام حکماء کو اور تمام عقلاء کو اس نے سکھائی ہے ۔ جس سے فلسفہ بنا ہے ۔ درحقیقت فلسفیت جو ہے اصل میں شیطنت ہے کیونکہ یہ جتنے بھی احکام علوم ہیں یہ عقل کے ماتحت ہیں ۔ عقل کے ماتحت ہونے کے معنی یہ ہیں کہ واقعات کے ماتحت واقعات کیا ہیں ۔ یہ افعالِ الہٰی ہیں جن کے تابع قولِ الہٰی کو کر دیا ۔ یہی تعلیم اسنے اپنے تمام متبعین کو دی ہے اور جتنے بھی مذاہب باطلہ ہیں سب اسی سے بنے ہیں کوئی باطل مذہب ایسا نہیں ہے کہ شیطان کے ان خیالات سے بچا ہوا ہو بلکہ انہی سے بنا ہے ۔

اب آپ غور کریں اور اس کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ اس میں غلطی کیا ہے ۔ یہاں اس نے گفتگو استدلال میں نہیں کی ۔ اس کے مقدمات جو تھے وہ سب مشکوک ہیں، اگر ان کو حق

تسلیم کرلیا جائے تب بھی وہ غلط ہیں۔ پہلی بات اس نے یہ کہی ہے کہ مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے پیدا کیا۔ دوسری یہ کہ آگ بہتر ہے مٹی سے۔

یہ مقدمہ یہاں مذکور نہیں ہے، یہ مقدمہ مشکوک ہے اور غلط ہے۔ اس نے اس پر استدلال کیا کہ آگ کا حیز الطبعی جو ہے وہ اوپر ہے، خفیف ہے، ہلکی چیز ہے، مٹی مرکز میں ہے بھاری چیز ہے۔ خفیف ثقیل اور بھاری چیز سے افضل ہوتی ہے۔ یہ دونوں مقدمے مشکوک ہیں صحیح نہیں ہیں۔ قُلْ اَفَاُنَبِّئُکُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِکُمُ النَّارُ ط (الحج ۲۲) آگ کو فرمایا کہ بدترین چیز ہے۔ اس نے آگ کو بہتر سمجھا، ان تمام مقدمات میں گفتگو نہیں کی جارہی ہے۔ یہ اگر صحیح بھی ہوں تب بھی یہ استدلال جو ہے غلط ہے۔ کیا خرابی ہے اس کے اندر؟ کہ اس قولِ الٰہی کو فعلِ الٰہی کے تابع کردیا۔ یہ غلطی ہوئی ہے کہ فعل کے تابع حکم ہونا چاہیئے یعنی حسن وقبح کے ماتحت احکام ہونے چاہئیں۔ نماز میں حسن ہے تو اس کے ماتحت حکم ہونا چاہیئے۔ نماز پڑھو۔ جھوٹ بولنے میں عیب ہے، نقص ہے، اس کے ماتحت حکم ہونا چاہیئے۔ جھوٹ نہ بولو۔ یہ بات نہیں ہے۔ کسی خوبی کی بنا پر نماز کا حکم نہیں ہوا ہے۔ کسی برائی کی بنا پر جھوٹ کی ممانعت نہیں ہوئی۔ کسی حسن کے ماتحت کوئی امر نہیں ہوا ہے اور کسی قباحت کی ماتحت کوئی نہی اور ممانعت نہیں ہوئی ہے بلکہ اگر ایسا ہوگا تو قدرتِ الٰہیہ یعنی حکم الٰہی جو ہے وہ تابع ہوجائے گا مادہ کے، اور یہ نقصِ عظیم ہے، قدرت کے منافی ہے۔ اس لئے ایسا نہیں ہوسکتا، وہ قادرِ مطلق ہے۔ جو چاہے حکم دے، پس جو حکم دیدے وہ اچھا ہے۔ جس شئے کا حکم دے وہ اچھی ہے۔ یہ نہیں ہے کہ جو اچھی شئے ہو اس کا حکم دے۔ جس شئے کو منع کرے وہ بری ہے۔ جیسے چوری ہے، جھوٹ ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ جتنی چیزیں ہیں ان کی برائی کی بنا پر ممانعت نہیں ہے بلکہ بعض جگہ یہ چیزیں جو ہیں حسن قرار دیدی ہیں۔ جھوٹ کی برائی کی بنا پر جھوٹ کی ممانعت نہیں ہے بلکہ جھوٹ کی ممانعت کی بنا پر جھوٹ کی بُرائی ہے۔ جیسے

اگر نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو دشمن گھیر لے، کسی مکان میں وہ جا کر چھپ جائیں اور لوگ سچ بول دیں کہ ہمارے یہاں نبیؐ چھپے ہوئے ہیں۔ دشمن اگر گرفتار کرلیں تو ایسا صادق القول شخص جو ہے وہ فرعون اور ابوجہل سے بھی بدتر ہے، جو سچ بول کے نبیؐ کو پکڑوادے۔ اس سے پتہ چل گیا کہ خود جھوٹ میں کوئی برائی نہیں ہے۔ اگر اللہ تعالےٰ منع نہ کرتا تو کوئی بات نہ تھی اس کے منع کرنے سے بُرا ہوا، کسی چیز میں بھی کوئی خرابی نہیں تھی جس شئے کا نام اُس نے خراب رکھ دیا وہ خراب ہوگئی، جس کا نام اچھا رکھ دیا وہ اچھی ہوگئی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کوئی بات سچی اور حق اور اچھی نہیں کہتا، اللہ تعالیٰ اور نہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم۔ سمجھ گئے آپ۔ اللہ تعالےٰ جو بات کہتا ہے اس کے کہتے ہی وہ سچ ہوجاتی ہے، وہ سچ نہیں کہتا۔ پہلے سے کوئی شئے سچی نہیں ہوا کرتی جس کے ماتحت اس کا قول ہو، بلکہ قولہٗ الحق۔ ادھر اس نے کہہ دیا ہوجا۔ بس وہ ہوجاتی ہے۔ اس نے لکڑی کو کہہ دیا کہ اژدھا بن جا، اژدھا بن گئی۔ یہ واقعہ کے خلاف بات ہوئی۔ اُس نے آگ کو کہا ٹھنڈی ہوجا، وہ ٹھنڈی ہوگئی۔ جو بات وہ کہتا ہے وہ قطعی سچی ہے۔ لیکن ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ سچی بات پہلے سے ہو اور اسکے ماتحت اسکا قول ہو بلکہ قولہٗ الحق۔ اس کا قول ہی حق ہے یہی حال رسولؐ اللہ کا۔ دونوں ایک ہی لائین ہیں۔ اللہ اور اللہ کے رسول کا جو قول ہے۔ یہ نہیں ہے کہ پہلے سے کچھ سچ۔ کچھ حقانیت موجود ہو۔ اس میں سے اٹھاکر وہ پیش کردیتے ہیں۔ نہیں بلکہ جو وہ پیش کردیتے ہیں وہ حق ہوجاتا ہے ادھر کہا اور ادھر وہ حق بنا۔

سچ اس کو کہتے ہیں جو واقعہ کے مطابق ہو۔ اس مطابقت کا نام سچ ہے، اور وہ بات سچی کہلاتی ہے۔ واقعہ کسے کہتے ہیں؟ یہ اشیار، یہ کائنات یہی حقائق ہیں حکایت کا واقعہ کے مطابق ہونا۔ اس مطابقت ہی کا نام سچ ہے۔ گویا سچ واقعات کے تابع ہوگیا۔ تو یہ ہمارے یہاں رائج ہے۔ مکلفین میں، انسانوں میں، ملائکہ میں، جنوں میں، مخلوقات میں، خدا کے ہاں یہ رائج نہیں ہے کہ اس کا قول جو ہے وہ واقعات کے تابع ہو۔ بلکہ واقعات اسکے قول کے تابع ہوتے ہیں۔

اِنَّمَآ اَمۡرُہٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیۡـًٔا اَنۡ یَّقُوۡلَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ (یٰسٓ)

اس کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی شئے کو بنانا چاہتا ہے۔ شیئیت اور حقیقت دینی چاہتا ہے وہ کہہ دیتا ہے اس شئے سے کہ ہو، مجرد اس کے کہتے ہی کہ ہو، وہ ہو جاتی ہے۔ تو واقعیت ہمیشہ اس کے قول کے تابع رہی ہے۔ اس کا قول کبھی واقع کے تابع نہیں رہا۔

شیطان اس اصول کو نہیں سمجھا کہ افعال ہمیشہ قول "کن" کے تابع رہے ہیں۔ (اس کا قول جو ہے وہ کیسے واقعات کے تابع ہوگا۔ واقعات اور حقائق کتنے ہی حسن ہوں، کتنے ہی حسین ہوں، ہمیشہ وہ تابع رہے ہیں، اس کے قول کے، اس کا قول تابع نہیں رہا، قول علت ہے مخلوقات کی، یعنی قول "کُن" جو ہے وہ مخلوقات کی علت ہے۔ وہ مقدم ہے واقعات سے۔ اس لئے مقدم مؤخر کے تابع ہو نہیں سکتا، مؤخر مقدم کے تابع ہوگا۔ فعل مؤخر ہے قول مقدم ہے، شیطان اس بات کو نہیں سمجھا، ہزاروں برس ہو گئے، اتنی مدت میں اس کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی۔ یہی ناسمجھی کی باتیں تمام حکماء اور عقلاء کو اس نے سکھائیں۔ اور جو اس علم سے اچھی طرح واقف نہیں تھے ان پران کی دھونس جم گئی، وہ تمام ان سے دبنے لگے، حقیقت یہ ہے کہ یہ کچھ نہیں جانتے، میں نے آپ کو بتا دیا کہ شیطنت کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ یہ شیطنت اور فلسفہ ایک ہی چیز ہے۔ اور فلسفہ کے جو تفصیلی علوم ہیں ان سب کے متعلق ہماری پوری رائے یہ ہے اور ہمیں اس کا تجربہ ہے۔ اس میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو حق ہو، سب دھوکا اور گمراہی ہے، اور وہی شیطنت ہے۔

خدا نے کہا کہ جب میں نے حکم دیا تو میرے امر کے بعد کون مانع ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جس شئے کو امر کیا ہے، وہ خود امتثالِ امر میں مشغول ہے۔ ہر شئے کو حکم دیا، ہر شئے امتثالِ امر میں مشغول ہے، ہر شئے سے وہ کہہ رہا ہے کہ ہو "کن" خطاب کر رہا ہے، ہر شئے خطاب کے سننے میں اور واقعیت کے حاصل کرنے میں مشغول ہے۔ اس خطاب کا سننا ہی واقعیت ہے اس واقعیت کے حاصل کرنے میں سب مشغول ہیں، وہ اپنے آپ سے تو مدافعت کر نہیں سکیں

وہ دوسرے کی کیا مدافعت کریں گی، وہ کیا مانع ہوں گی۔ اس نے کہا مَا مَنَعَكَ اَنْ لَا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ (اعراف ۱۱) جب میں نے حکم دیدیا تو کون مانع ہو سکتا ہے، یہ جتنی چیزیں ہیں۔ یہ خود امتثالِ امر کر رہی ہیں، یہ اپنے آپ نہیں روک سکتیں، تجھے کیا روکیں گی۔ تو یہ شیطان کا اثر ہے۔ اپنی رائے کے تابع ہونا۔ جیسا کہ عوام جو ہیں یہ فریاد کیا کرتے ہیں کہ ہم بھی ایک رائے رکھتے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ کچھ تھوڑا سا اثر شیطنت کا ان کے قلب کے اندر ہے جو شخص یہ کہے کہ میں رائے رکھتا ہوں۔ اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ (الفرقان ۴۳) بھلا دیکھا تو نے اس شخص کو کہ جس نے اپنی رائے کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔ اپنی ہوا کو، اپنی خواہش کو، رائے جو ہے معبودِ باطل ہے۔ جھوٹی چیز ہے وہ انبیاء علیہم السلام اسی چیز کی تبلیغ کرنے آئے ہیں۔ اعمال بعد کی چیز ہے۔ سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ معبودِ برحق ایک ہی ہے، اور یہ جو معبودِ باطل ہے "رائے" اصل بڑا بت یہ ہے۔ پتھر کے بت کو بہت جلدی سمجھ لیتا ہے کہ یہ اس قابل نہیں ہے کہ شریکِ باری تعالیٰ ہو۔ اصل میں جو جھگڑا کرنے والی چیز ہے وہ "رائے" ہے کہ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی، مجھے اس سے اختلاف ہے۔ ایسا کیوں کہا؟"

اُس نے کہا قَالَ اِذَا جَاءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ۔ (المنٰفقون ۱) جو بھی منافق تیرے پاس آئے۔ کہنے لگے ہم شاہد ہیں اس بات کے کہ البتہ تو اس وقت اللہ کا رسول ہے۔ یہ بات صحیح کہی انھوں نے۔ تھے رسول حق بات تھی یہ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ (المنٰفقون ۱) اللہ نے تصدیق کر دی کہ بیشک اللہ جانتا ہے کہ تو اللہ کا رسول ہے۔ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ۔ خدا اس بات کا شاہد ہے کہ یہ منافق جو یہ بات کہہ رہے ہیں، جھوٹے ہیں۔ ان کی سچ کو میں تسلیم نہیں کرتا اور میں نے ان کی سچ کا نام جھوٹ رکھا اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (یونس ۹۰) جب فرعون غرق ہونے لگا کہنے لگا کہ میں ایمان لایا اس معبود پر اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اور جو بنی اسرائیل کا معبود ہے۔

یہ بات سچی کہی تھی اس نے۔ ایمان صحیح لایا تھا وہ کہا میں تسلیم نہیں کرتا ایمان کو، تو اگر وہ ایمان کو تسلیم نہیں کرے، وہ ایمان نہیں۔ ایمان وہ ہے جسے وہ تسلیم کرے۔ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ (یٰسین ۵۲) یہی تو ہے وہ دن جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور تمام رسول سچے تھے۔ اب قبروں سے اُٹھ کر کافر یہ کہیں گے۔ یہ بات قطعی سچی ہے لیکن یہ کہتے ہی سیدھے جہنم میں چلے جائیں گے۔ جہنم جو ہے وہ دار المصدقین ہو گیا گویا اس نے کہا میں ان کی تصدیق کو تسلیم نہیں کرتا یہ جو میری تصدیق کرتے ہیں۔ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا۔ (حٰم سجدہ ۸۵) یہ جب میرا عذاب دیکھ لیں گے تو ان کا ایمان ان کو نفع نہیں دے گا۔ ایمان وہ جسے میں ایمان کہوں۔ فسق وہ ہے جسے میں فسق کہوں، کذب وہ ہے جسے میں کذب کہوں۔ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ (یوسف ۷۰) یوسف علیہ السلام نے ایک برتن اپنے بھائی کے سامان میں چھپا دیا تھا۔ یہ کذب نہیں بلکہ بہتان ہے۔ کذب سے بھی بدتر فعل ہے۔ خود فعل کرنا اور بھائیوں کی طرف منسوب کرنا سخت بہتان ہوا نا؟ جو انھوں نے بھائیوں پر لگایا۔ یہ کذب کا بھی باوا ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام نے کیا۔ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ (یوسف ۷۶) یہ مکر کرنا میں نے یوسف کو سکھایا تھا۔ وہاں فعلِ نبوت ہوا بس جس کو میں سچ کہہ دوں وہ سچ ہے۔ جسے میں کذب کہہ دوں وہ کذب ہے۔ منافق سچی تصدیق کر رہے ہیں تو وہ کہہ رہا ہے تم جھوٹے ہو۔ نبی بہتان کا فعل کر رہے ہیں تو وہ کہتا ہے میری مہربانی ہے کہ میں نے یہ مکر اس کو سکھا دیا۔ تو اللہ جو چاہے سو کہے اور جو چاہے سو کرے۔ اس بات کو شیطان نہیں سمجھا۔ کیونکہ وہ خدا ہی کیا رہا کہ جو کسی ضابطہ کے ماتحت ہو گیا۔ ضابطہ جب گھیرے گا تو مضبوط و مجبور بن جائے گا، وہ محصور ہو جائے گا، وہ حاضر ہے، تمام مخلوقات کو وہ خود گھیرے ہوئے ہے۔ کوئی شئے اس کو گھیر نہیں سکتی۔ شیطان اس کو گھیرے میں لانا چاہتا تھا، یہ شیطنیت ہے۔

یہ محفلِ میلاد شریف ہے لیکن پہلے چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی تعریف کرنا مقصود تھی اس لئے ہم نے خداوند تعالیٰ کی تعریف کرنا شروع کی اور وہ بغیر اعوذ اور بسم اللہ کے نہیں ہو سکتی تھی۔

اس لئے میں نے اعوذ باللہ کے متعلق کچھ بیان کر دیا۔ اب بسم اللہ کے متعلق بیان کرتا ہوں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اس کے معنی ہیں اللہ رحمٰن۔ رحیم کے نام سے۔ یہ اس کا ترجمہ ہے۔ یہ فقرہ پورا نہیں ہے۔ شروع، آغاز، ابتدا، اللہ، رحمٰن، رحیم کے نام سے ہے۔ ابتدا محذوف ہے یہاں۔ میں ابتدا کرتا ہوں اللہ رحمٰن، رحیم کے نام سے یا میں شروع کرتا ہوں اللہ رحمٰن رحیم کے نام سے یا شروع رحمٰن رحیم کے نام سے ہے یا ابتدا اللہ رحمٰن رحیم کے نام سے ہے۔

اب یہاں غور کرنا چاہیئے کہ ابتدا جو ہے۔ ہر شئے کی ابتدا۔ اللہ۔ رحمٰن۔ رحیم کے نام سے ہے۔ اللہ رحمٰن رحیم کی ذات سے ابتدا نہیں ہے۔ جیسے یہ روشنی فرش پر پڑ رہی ہے۔ اس کی ابتدا کس سے ہے۔ سورج سے سورج میں جو روشنی ہے۔ اس کی ذات سے ہے۔ جونہی اس کی ذات یہاں متحقق ہوگی۔ ویسے ہی یہ روشنی یہاں متحقق ہو جائے گی۔ اسی طرح اللہ تبارک وتعالےٰ کی ذات سے ابتدا ہوتی تو جس وقت سے اللہ تبارک وتعالےٰ ہے اسی وقت سے یہ ہر شئے موجود ہو جاتی، ہمارا اور کائنات کا وجود خدا کی ذات سے وابستہ نہیں ہے۔ یاد رکھو یہ انھیں دھوکوں میں سے ایک دھوکا ہے۔ جو شیطان نے دیئے ہیں۔ انھیں دھوکوں میں سے ایک کی یہ قسم ہے جس میں بڑے بڑے جلیل القدر عقلاء مبتلا ہوئے۔ اساطین حکمت، فیثا غورث، سقراط، افلاطون ہے۔ جلیل القدر حکما اور سب اسی گمراہی میں مبتلا ہوئے۔ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کا یہ کائنات نتیجہ ہے۔ یہ غلط ہے ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ اگر ذات سے ہوگا تو جب سے وہ شئے ہوگی جس کا یہ اثر ہے اسی وقت سے یہ اثر ہوگا۔ یہ نہیں ہے بلکہ اللہ تعالےٰ تھا اور کوئی شئے نہیں تھی، عالم نہیں تھا، تو معلوم ہو گیا کہ خدا کی ذات کا یہ نتیجہ نہیں ہے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ ابتدا جو ہوگی۔ خدا لا ابتدا ہے۔ لا ابتدا سے ابتدا کیسے ہو سکتی ہے۔ مخلوق میں ابتداء کی صلاحیت نہیں۔ کیونکہ جس جگہ سے آپ شروع کریں گے یہاں اس سے قبل جو ہوگی کوئی شئے موجود ہوگی۔ یا اگر معدوم

ہوگی تو اس شئے کا عدم اس پر مقدم ہوگا۔ کائنات میں سلسلہ کہیں تک لے جائیں جس جگہ سے وہ وہ شروع ہوگا۔ اس کی ابتداء سے قبل ضرور ہوگی۔ اس لئے اس میں تو قابلیت ہی نہیں ابتدا کی۔ اور خدا میں یوں ابتدا کی قابلیت نہیں کہ وہ لا ابتدا ہے۔ تو اب ابتداء ہو تو کیسے ہو۔ کائنات کا وجود متحقق ہو تو کیسے ہو۔ تو اس نے کہا کہ یہ تدبیر کرو کہ ایک بین بین چیز نکالی، جو اسم ہے۔ جو اس کا اسم مبارک ہے۔ وہ کیا ہے؟ واحد اور احد۔ یہ اس مقدس وحدہٗ لاشریک کا اسم ہے۔ بغیر واحد کے کوئی شئے متحقق نہیں ہو سکتی۔ یہ لکڑی جب تک ایک نہ ہولے ہونے ہی کی نہیں۔ یہ ٹوپی جب تک یہ ایک نہ ہو پہلے اس کا وجود نہیں ہو سکتا۔ جہان میں کہیں نہیں پائی جا سکتی۔ یعنی بغیر واحد کے وہ شئے ہو ہی نہیں سکتی۔ وجود ہو ہی نہیں سکتا بغیر وحدت کے۔ تو ہر شئے کے وجود کو وحدت گھیرے ہوئے ہے۔ گھیرے ہوئے نہیں بلکہ وہ عین ہے اس کا۔ حقیقت ہے اس کی۔ اس واحد کے بغیر وہ شئے متحقق نہیں ہونے کی۔ تو ہر شئے کی ابتداء اور وجود اور تحقق اسی واحد کے اسم مبارک یعنی واحد سے ہے۔

اور اس جہان میں کہیں بھی حقیقی واحد نہیں ہے۔ اصلی واحد وہی ہے۔ یہ ایک انگلی ہے لیکن یہ حقیقی ایک نہیں ہے (یہ تین پوروں کا مجموعہ ہے) تو اگر انگلی اور ایک دونوں ایک ہوں تو جو ایک ہے وہ انگلی ہو جائے گا۔ یہ ایک ہے یہ لکڑی۔ تو یہ ایک لکڑی بھی بن جائے گی۔ تو معلوم ہوا کہ یہ حقیقی واحد نہیں ہے۔ وہ تین ہیں۔ ایک تو ایک۔ اور ایک وہ شئے جس کی طرف آپ ایک کا اشارہ کر رہے ہیں۔ یعنی انگلی۔ اور ایک واحد اور انگلی کے درمیان جو علاقہ اور نسبت ہے تو جس شئے کو بھی آپ کہیں گے کہ یہ ایک ہے تو درحقیقت وہ تین ہوں گی۔ تو حقیقی واحد یہاں ہے ہی نہیں اور واحد ہونا ضرور چاہیئے، کیونکہ بغیر واحد کے کثرت ہو ہی نہیں سکتی تو لابُد واحد اس کائنات سے باہر ہے۔ وہی خالق ہے، ان تمام کثرتوں کا۔ وہی اس کائنات کا مالک و خالق اور رب ہے۔ اسی کے اسم مبارک کی برکت ہے کہ یہ کائنات کا وجود ہو گیا۔ وہ نہ ہوتا تو یہ نہیں ہوتی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ۔

اَلْحَمْدُ میں جو یہ ا ل ہے۔ اس کو لام تعریف کہتے ہیں۔ حمد کے چار معنی ہیں۔ ایک معنی اس جنس کے لئے آتے ہیں۔ ایک معنی عام افراد کے لئے آتے ہیں۔ ایک معنی بعض بعض معین فرد کے لئے آتے ہیں۔ ایک معنی بعض غیر معین فرد کے لئے آتے ہیں۔ حمد کی جنس اللہ تعالےٰ کے لئے ہے۔ ہر ہر حمد کا فرد اللہ تعالےٰ کے لئے ہے۔ حمد کا فرد معین اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ حمد کا غیر معین فرد اللہ تعالےٰ کے لئے ہے۔ وہ معمولی چیز ہے۔ ایسا اسے سمجھنا بھی نہیں چاہیئے۔ کیونکہ خدا کی بڑائی اس میں ہے کہ جو حمد ہے وہ اس کے لئے ہے۔ تمام جتنی حمد ہو رہی ہے کل کی کل اس کے لئے ہے۔ یا حمد کا معین فرد۔ خاص ہو۔ وہ اللہ کے لئے ہے۔ وہ کون سا فرد ہے، وہ وہ ہے کہ جس کو وہ خود کہہ رہا ہے، وہ اپنی تعریف خود کر رہا ہے۔ وہ حمد ہوئی نا۔ یہ فرد معین ہے۔ یہ اللہ کے لئے اور باقی غیر اللہ، جتنی حمدیں کر رہے ہیں وہ سب کچھ بھی اللہ کے لئے خاص ہیں۔ اس نے کہا کہ ہر حیثیت سے حمد اس کے لئے ہے۔

یہاں اللہ تعالےٰ نے پانچ لفظ بولے ہیں اللّٰہ، رب العٰلمین، رحمٰن، رحیم، مالکِ یوم الدین۔ یہ کہا کہ تمام جہانوں میں تعریف کی جتنی بھی صورتیں ہو سکتی ہیں وہ پانچ طریقہ سے ہو سکتی ہیں۔ یا تو اس شئے کی ذات میں کچھ خوبی ہے۔ ذاتی خوبی یعنی کمالات کی بنا پر تعریف ہوا کرتی ہے۔ صورت شکل اچھی ہے۔ جسم میں توازن ہے، تناسب ہے وغیرہ وغیرہ۔ علم ہے امر صالح ہے، جو بھی نیکیاں، خوبیاں ہیں، ذاتی خوبیوں کی بنا پر۔ آپ تعریف کریں گے حافظ ہے، عالم ہے، وغیرہ، ذاتی کمالات کی بنا پر تعریف ہوتی ہے۔

یا احسان کی بنا پر تعریف ہوتی ہے۔ آپ کے ساتھ کسی شخص نے کچھ بھلائی کی اسکی تعریف کی جائیگی بالفعل کسی شخص نے احسان کیا اور فائدہ پہنچ رہا ہے آپ اسکی تعریف کرینگے یا بالفعل کوئی فائدہ نہیں پہنچ رہا۔ آئندہ فائدہ پہنچنے کی امید ہے تو آپ ابھی سے اسکی تعریف شروع کر دینگے۔ بالفعل نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے تو تعریف کرتے ہیں تاکہ اس کے نقصان سے بچیں۔ آئندہ نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ نقصان پہنچنے کے اندیشے سے آپ تعریف کرتے ہیں۔

الحمد للہ تو اس نے کہا کہ اگر تم ذاتی حسن کی بناپر تعریف کرتے ہو اور تعریف ہونی چاہئیے تو میں اللہ ہوں، اور اگر احسان کی بناء پر تعریف ہوا کرتی ہے تو میں رب العالمین ہوں تمام جہانوں پر احسان کر رہا ہوں۔ بالفعل تمام چیزوں پر میرا احسان ہے۔ اور اگر آئندہ فائدہ اور احسان کی توقع ہے تو میں رحمٰن ہوں، اور اگر بالفعل نقصان سے بچنے کی بناء پر تعریف کی جاتی ہے تو رحیم ہوں۔ اور اگر آئندہ نقصان سے بچنے کے لئے تعریف کی جاتی ہے تو میں آئندہ کا یعنی روزِ جزا کا مالک ہوں۔ مالکِ یوم الدین۔ بس یہ پانچ ہی طریقے ہو سکتے تھے۔ اُس نے پانچوں نام لے لئے کہ میں ہر حیثیت سے مستحقِ حمد ہوں۔

اللہ کیا چیز ہے۔ لفظ اللہ عربی زبان میں کس معنی کے لئے بنایا گیا۔ یہ لکڑی ہے۔ آپ لکڑی کا لفظ بولتے ہیں۔ کرسی کا لفظ بولتے ہیں۔ آسمان کا لفظ بولتے ہیں۔ اللہ کا لفظ بول کر کیا چیز سمجھی جاتی ہے۔ وہ ایسی شئے ہے جس سے دو حقیقتیں مقتضی ہوتی ہیں۔ ایک کا نام حسن ہے۔ ایک کا نام کمال ہے۔ حسن اور کمال کی جامعیت کا نام اللہ ہے۔ کمال اور حسن ان دونوں کے مجموعے کا نام اللہ ہے۔ کمال اور حسن حقیقی ان دونوں لفظوں کے معنی سمجھ لیں آپ۔ حسن کہتے ہیں طبیعت کی مناسبت کو۔ حسین وہ ہے جو آپ کی طبیعت کے مناسب ہے۔ تناسبِ اعضاء کی ضرورت نہیں۔ دوسرے کا بچہ کتنا ہی خوبصورت ہو، اور اپنا کیسا ہی چیچک زدہ ہو، ناک بہ رہی ہو، مگر طبیعت کے مناسب ہے۔ اس کو گلے سے لگا لے گا۔ دوسرے کے خوبصورت بچے کو دھکیل دے گا، کیونکہ دوسرے کے بچے کو طبیعت سے وہ مناسبت نہیں ہے۔

طبیعت کے حقیقی تناسب کے معنی یہ ہیں کہ کسی وقت بھی غیر مناسب نہ ہو۔ وہ اصل حسن ہوا، اسی طرح کمال کے معنی میں بڑائی۔ حقیقی بڑائی وہ ہے جس بڑائی میں اضافہ نہ ہو سکے جیسے یہ ہنڈال بہت بڑا ہے لیکن اس سے بڑا ہو سکتا ہے تو حقیقت میں یہ بڑا نہیں ہوا۔ ہر وہ بڑا کہ جس پر اضافہ ہو سکے وہ حقیقی بڑا نہیں، حقیقی بڑا وہ ہے جس پر اضافہ نہ ہو سکے۔ اس کے لئے اردو میں کہتے ہیں بڑے سے بڑا۔ تو اللہ تبارک و تعالیٰ میں حسنِ حقیقی ہے۔ یعنی ایسی مناسبت

ہے کہ اس مناسبت میں کسی وقت بھی غیر مناسبت نہیں ہونے کی۔ دیکھئے آپ کے یہاں مناسب چیزیں کیا ہیں۔ کھانا ہے، لذیذ کھانا طبیعت کے مناسب ہے۔ پیٹ بھرنے کے بعد اس سے بہتر غذا بھی آجائے گی۔ نہیں کھانے کے، عمدہ لباس، عمدہ مکان، ہر چیز کو آپ دیکھ لیجئے۔ کچھ مدت کے بعد وہ غیر مناسب ہو جاتی ہے۔ رب سے زیادہ مناسب بیٹا ہے۔ بیٹے سے زیادہ کوئی شئے مناسب نہیں ہے۔ بیوی ہے، بیٹا ہے، محبوبہ ہے۔ ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ بیوی کو طلاق دیتا ہے۔ بیٹے کو قتل کر دیتا ہے یا عاق کر دیتا ہے۔ ذرا سی تکلیف پاتے ہی بیوی کو چھوڑ دیتا ہے، بیٹے کو چھوڑ دیتا ہے۔ عشق کو بھول جاتا ہے۔ لیکن یہ دن رات کساد بازاری ہو رہی ہے، لوگوں کو روٹی نہیں مل رہی، طوفان چلے آرہے ہیں۔ محنت کرتے کرتے مرا جا رہا ہے۔ ہیضہ پھیل رہا ہے۔ چوبیس گھنٹے بلائیں بھیج رہا ہے۔ سارے عالم میں دیکھئے اتنی مصیبتیں اللہ تبارک و تعالےٰ نازل کر رہا ہے۔ خیال میں بھی یہ بات نہیں آتی کہ وہ ہر سال ہمارے اوپر مصیبتیں بھیجتا ہے چلو اس کے متعلق سب مل کر سازش کریں۔ یہ خیال کبھی نہیں آتا، الٹا اسی سے فریاد کر رہا ہے۔ سمجھتے ہوئے فریاد کر رہا ہے۔ دکھ پہنچتے ہوئے فریاد کر رہا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اس سے زیادہ طبیعت کے مناسب کوئی ذات نہیں ہے۔ (پڑھیں اپنے رب کی تحمید۔ الحمد للہ) ہر وقت جان نکل رہی ہے۔ گلا کٹ رہا ہے۔ کینسر ہو رہا ہے۔ کسی وقت بھی خدا کو برا نہیں کہتا، حتیٰ کہ مر جاتا ہے یہ نہیں کہتا کہ کیا ظلم ہے، تو دکھ پہنچنے کے وقت بھی وہ اتنا طبیعت کے مناسب ہے کہ الٹا اسی سے فریاد کر رہا ہے۔ کوئی آپ کو تھپڑ مارے تو آپ کہیں گے کہ ہماری مدد کرنا، اس کی جان کے دشمن ہو جائیں گے۔

وہ برابر طمانچے مار رہا ہے، چھڑیاں مار رہا ہے۔ طاعون بھیج رہا ہے۔ ہیضہ بھیج رہا ہے — کساد بازاری بھیج رہا ہے۔ دنیا بھر کی تکلیفیں، مصیبتیں نازل کر رہا ہے، اور ہر مصیبت کے وقت یہ کہتا ہے کہ تو ارحم الراحمین ہے۔ ہمارے اوپر رحم کر، طبیعت کے مناسب کوئی ذات سوائے اس کے نہیں ہے۔ لہٰذا حسنِ حقیقی وہی ہے۔ طبیعت کے مناسب وہی ہے۔

کمالِ حقیقی کیا چیز ہے، جو بڑے سے بڑا ہو۔ یہاں کوئی شئے اس جہان میں بڑی

سے بڑی نہیں ملے گی۔ جو شئے ملے گی اس پر اضافہ ہو سکتا۔ اس پر اور بڑائی ہو سکتی ہے۔ آپ کے خیال میں بڑی سے بڑی کیا شئے ہے؟ زیادہ سے زیادہ دیکھیں گے تو وہ آسمان ہے۔ اس سے کوئی بڑی شئے نہیں ہے۔ سورج جو تقریباً زمین سے ۱۵۹ اگنا ہے۔ جو ہندسین نے تحقیق کی ہے۔ وہ آسمان کے اندر ایک ٹکیہ سا معلوم ہوتا ہے۔ حقیقت میں یہ بھی بڑا نہیں ہے۔ آپ آسمان کی طرف نظر ڈال کر دیکھیں۔ آپ کی آنکھ سے جو شعاع نکل رہی ہے۔ جو آسمان کی سطح تک پہنچ رہی ہے۔ اس کی مسافت کے مقدار کے برابر یہ چھوٹا ہے۔ اگر بڑا ہوتا تو یہاں آنکھ تک آجاتا تو معلوم ہوا کہ حقیقی بڑے کی صلاحیت ہی اس جہان میں نہیں ہے، وہ اس جہان سے باہر ہے، وہ خالق ہے، سب بڑے اور چھوٹے کا تو حقیقت میں اللہ وہ ہے کہ جو حسنِ حقیقی ہے اور کمالِ حقیقی ہے۔

اللہ کی تعریف ہم نے پہلے کر دی، اپنے قیاس کے مطابق، اپنے شعور کے مطابق، جو لوگ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں، وہ اس سے زیادہ بیان کریں گے، اور یہ سلسلہ لاانتہا جائیگا کسی جگہ بھی نہیں ٹھہر سکتا۔ اور حقیقی تعریف ہو نہیں سکے گی۔ حقیقی تعریف وہی ہے جو وہ خود کرے۔ کوئی نہیں کر سکتا، اس کی تعریف۔

پہلے تمہید آپ کے سامنے یہ بیان کر دوں کہ ایک تو ہے عقل کا علم جس کو عقلی علم کہتے ہیں۔ یعنی وہ علم جو عقل سے حاصل ہو۔ مثلاً یہ مکان ہے۔ آپ کی عقل یہ بتا رہی ہے کہ اس کا کوئی بنانے والا ہے۔ یہ عقلی چیز ہے یا ذرا سا دھواں آپ دیکھ لیں تو آپ کی عقل یہ بتائے گی کہ یہ دھواں قرینہ ہے۔ اس کے ساتھ کوئی اور شئے مقرون ہے جس کا نام آگ ہے۔ ہمیشہ آپ یاد رکھیں کہ عقلی علم کتنا ہی یقینی کیوں نہ ہو وہ حالی علم ہے۔ بہت کمزور ہوتا ہے۔ کسی شخص کو یہ علم ہو جائے کہ اسے کل یا تین دن کے بعد پھانسی ہو گی۔ اس کے بعد اس کا کھانا پینا بند ہو جاتا ہے اور بہت پریشانی ہوتی ہے۔ اور آپ لوگوں کو بھی یقین ہے کہ موت آئے گی اور موت کا اس کو بھی یقین ہے۔ لیکن آپ خوب سمجھ لیں کہ آپ کبھی بھی موت سے نہ بچ سکیں گے۔

اور وہ پھانسی کا حکم پانے کے بعد ممکن ہے بچ جائے اور پھانسی کے تختے پر نہ لٹکایا جائے تو یہ کتنا زبردست یقین ہے جو آپ کو، مجھ کو اور سب کو ہے۔ لیکن یہ حالی نہیں ہے۔ سب جانتے ہیں کہ مریں گے۔ سب کو اپنی موت کا یقین ہے۔ لیکن اس کو اپنی موت کا یقین حالی ہے۔ اور وہ یقین اس یقین سے کمزور ہے۔ کیونکہ امکان ہے نا، اس میں بچنے کا، ایسے واقعات ہوتے ہیں کہ بچ گیا۔ لیکن حالت میں تبدیلی ہے، جو اس کی حالت ہے۔ جو ہیبت موت کی اس پر طاری ہے وہ آپ پر نہیں ہے۔ یہ بات سمجھ میں آگئی تو یقین کافی نہ ہوا۔ علم حالی جو ہے، وہ کم درجہ کا بھی علم عقلی سے بہت قوی ہوتا ہے اور بہت با اثر ہوتا ہے، یہ جو لوگوں کے دلوں پر اثر نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ علم حالی نہیں ہوا کرتا، وہ علم ظاہری اور عقلی ہوا کرتا ہے۔ یہاں سب کو معلوم ہے کہ پاکستان کا صدر فلاں ہے۔ ہر شخص کو یقین ہے لیکن شناخت ہر شخص کو نہیں ہے۔ بہت قلیل تعداد ہوگی جو صدر کو پہچان لے گی۔ اور بہت بڑی اکثریت نہ پہچان سکے گی۔ لیکن یقین سب کو ہے۔ شناخت نہیں کر سکے گی۔ یقین اور چیز ہے، اور شناخت اور معرفت اور چیز ہے۔ اب ایک جماعت عارفوں کی نکلے گی جو عوام کے مقابلہ میں بہت قلیل ہوگی۔ صدر صاحب اگر کہیں موٹر میں جائیں تو جو جانتے ہوں گے پہچان لیں گے کہ صدر جا رہا ہے۔ لیکن علاقہ ان عارفین میں سے کسی کو بھی نہیں ہوگا۔ تعلق کسی کو بھی نہیں ہوگا۔ تو تعلق معرفت سے بھی بڑی اور اونچی چیز ہے۔ جیسے حجام ہے، روزانہ دس بجے صدر کی حجامت بناتا ہے، صدر کے پاس حجامت کے لئے نہ پہنچے تو صدر کو پریشانی ہوگی۔ کہیں گے تلاش کرو کیوں نہیں آیا؟ جب وہ آیا تو کہنے لگا کہ صاحب کیا کریں ہماری جھگی پر برابر والوں نے قبضہ کر لیا مصیبت میں مبتلا ہیں تم کو حجامت کی پڑی ہے۔ ہم کیسے آتے؟ فوراً سپاہیوں کو بھیج کر کہے گا کہ جاؤ اسکی مدد کرو۔ امداد فوراً ہو جائے گی۔ اس حجام کا جو علاقہ ہے۔ وہ بڑے بڑے وزیروں اور منسٹروں کو بھی نہیں ہے۔ یہ سب عرفا ہیں، تو یہ ارباب یقین جو ہے وہ سارا پاکستان ہے۔ ارباب معرفت بھی جو ہیں وہ لاکھ دو لاکھ ہوں گے، لیکن ارباب تعلق چند ہی ہوں گے، تو

تعلق سب سے قوی چیز ہے۔ اصل شئے تعلق ہے۔

دلائل سے یقین کا حاصل کر لینا، یہ دشوار چیز ہے۔ ہر شخص نہیں کر سکتا، اسی طرح معرفت بھی دشوار چیز ہے۔ ہر شخص نہیں کر سکتا، لیکن تعلق بہت آسان چیز ہے۔ شریعت میں جہاں پر بھی حکم ہوا ہے۔ جو بھی حکم نازل ہوا ہے۔ خواہ اس کا تعلق عقیدہ سے ہو یا عمل سے ہو، سب میں تعلق رکھا ہے، زیادہ زور علوم وفنون پر نہیں دیا۔ اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنے علوم وفنون نہیں جانتے، جتنے سو یا دو سو برس بعد کے لوگ جانتے تھے۔ بعد کے دور میں جتنے علوم وفنون کا زور تھا۔ وہ اس زمانے میں نہیں تھا۔ نہ وہ فقہ جانتے تھے نہ اصولِ فقہ جانتے تھے، نہ کلام جانتے تھے نہ منطق جانتے تھے۔ نہ ہندسہ نہ فلسفہ کچھ نہیں جانتے تھے۔

ہم تو اُمّی لوگ ہیں، نہ ہم حساب جانیں نہ کتاب جانتے ہیں۔ تو اصل شئے تعلق نکلا، وہ تعلق جو ہوتا ہے، وہ مبدا ہوتا ہے، سبب ہوتا ہے اعتماد کا۔ غور کرو۔

سب سے زیادہ مہلک آلہ کیا ہے؟ چھرا ہے؟ تلوار ہے؟ نہیں بلکہ استرا ہے۔ استرے سے زیادہ تیز دھار کسی آلہ کی نہیں ہے اور سب سے زیادہ نازک مقام یہ شہ رگ ہے۔ اس کے کٹنے کے بعد پھر نہیں بچتا۔ حجام کیا کرتا ہے۔ سب سے زیادہ مہلک آلہ کو سب سے زیادہ نازک جگہ پر رکھ دیتا ہے اور وہ کٹوا تا رہتا ہے۔ اس کو ذرّہ برابر بھی خوف وہراس نہیں ہوتا (اطمینان سے باتیں ہوتی رہتی ہیں) کتنا مہلک آلہ اور کتنے نازک مقام پر رکھا ہوا۔ کچھ بھی خوف وہراس نہیں۔ کیا وجہ ہے اس کی۔ حجّام سے پورا تعلق ہے اور صحیح اعتماد ہے کہ یہ گلا نہیں کاٹے گا۔

اگر آپ کو جتنا حجّام سے تعلق ہے۔ اتنا تعلق اپنے رب سے ہو جائے۔ سارا عالم بھی مل کر تلوار رکھ دے، کبھی خوف وہراس نہیں ہونیکا، صحیح تعلق ہونا چاہیئے اور اتنے تعلق کے بعد) یہاں کوئی ایسا نہیں ملے گا کہ جس کو اللہ سے اتنا تعلق ہو۔ جتنا کہ اس کو حجام سے ہے۔ میرے علم میں ایک آدمی نہیں آیا ساٹھ برس میں، اور جب ایسا ہوگا تو وہ بھی گھٹیا قسم کا مشرک ہوگا۔ کہ اس کو اپنے رب پر اتنا اعتماد ہے جتنا کہ ایک حجّام پر ہے۔ دوست ہیں۔ احباب ہیں، اُستاد،

ہیں، پیر ہیں مرشد ہیں، ماں باپ، بھائی بہن ہیں، یہ تمام اعتماد کے لوگ ہیں۔ اگر اتنا اعتماد ہو جائے گا تو پھر کتنا شدید تعلق اپنے رب سے ہو گا۔ ادنیٰ تعلق کی یہ حالت ہے کہ استرا رکھوا لیتا ہے۔ اسی طرح تمام عالم تلواریں رکھ دے ادنیٰ تعلق سے کبھی خوف و ہراس نہ ہو تو صحیح تعلق کے بعد آپ کچھ اندازہ ہی نہیں کر سکتے۔ کیا حالت ہو گی۔ اپنے رب سے صحیح تعلق ہونا چاہیئے۔

آپ سمجھ لیں کہ خدا سے تعلق کے صحیح معنی کیا ہیں؟ اس کے رسولؐ سے تعلق ہی کا نام خدا سے تعلق ہے۔ خدا سے کوئی مستقل تعلق کسی کا نہیں ہوا کرتا، جن لوگوں نے یہ دعویٰ کیا ہے، خدا سے براہِ راست تعلق کا ان کے علم میں کمی تھی۔ وہ سمجھے نہیں تھے۔ خدا کی اطاعت کے معنی رسول اللہؐ صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے ہیں۔ خدا کی رضا کے معنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رضا کے ہیں۔ خدا کے دکھ دینے کے معنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دکھ دینے کے ہیں۔ یُخٰدِعُون اللہ۔ اللہ کو فریب دیتے ہیں۔ (معمولی ہشیار آدمی کو فریب دینا مشکل ہے) اللہ کیا فریب میں آئے گا۔ اس کے معنی ہیں اللہ کے رسولؐ کو فریب دیتے ہیں۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَہُمْ عَذَابًا مُّہِیْنًا (الاحزاب ۵۷) کمزور کو دکھ دے لیں لیکن آپ کسی تگڑے آدمی کو دکھ نہیں دے سکتے۔ خدا کو کیا دکھ دیں گے۔ خدا کی ایذا کیا ہے، رسولؐ کی ایذا۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْہُ۔ اِنْ کَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ (توبہ ۶۲) اللہ اور اللہ کا رسول ہی حقدار ہیں۔ زیادہ مستحق ہیں۔ اس بات کے کہ ان کو راضی کیا جائے، رسولؐ کا راضی کرنا ہی خدا کا راضی کرنا ہے۔ صرف ایک چیز میں فرق ہے۔ باقی کسی چیز میں فرق نہیں ہے۔ رسول کی عبادت تو خدا کی عبادت نہیں ہے۔ لَا یُشْرِکْ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖ اَحَدًا۔ رسول اللہؐ کی قبولیت جو ہے وہی اللہ کی قبولیت ہے۔ کوئی نماز پڑھ رہا ہے اور رسولؐ آواز دے تو فوراً نماز کو توڑا جائے گا۔ اور رسولؐ کی آواز پر جایا جائے گا۔ خدا سے تعلق کے معنے کیا ہوئے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے تعلق اور جس کو خدا کے رسولؐ سے تعلق نہیں ہے اس کو خدا سے تعلق نہیں ہے۔

اب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کیسے تعلق ہو؟ اس تعلق کی تدبیر اور تصویر کیا ہے؟ تعلق کی تدبیر وہی ہے جو یہاں دو اجنبی آدمیوں میں ایک دوسرے سے تعلق پیدا کر دیتی ہے۔ سب سے پہلی چیز تعلق پیدا کرنے کی یہ ہے کہ اگر میں آپ سے تعلق پیدا کرنا چاہتا ہوں، میں سب سے پہلے آپ سے جاکر کہوں گا۔ السّلام علیکم! پہلے سلام کرتا ہوں، تعلق کی ابتداء، رسولؐ پر سلام بھیجنا ہے۔ اور کوئی شئے نہیں ہے۔

مَیں نے دیکھا ہے کہ ایک بہت امیر کبیر آدمی موٹر میں جارہا ہے۔ ایک غریب پان والے نے اسے جھک کر سلام کیا۔ اس نے دھیان بھی نہیں کیا، پھر جو ادھر سے گذرا پھر سلام کیا پھر دھیان نہیں کیا۔ چند دفعہ کے بعد اس کی طرف دیکھا اور دیکھتا ہوا نکل گیا۔ پھر اس کے بعد اس نے سلام کیا۔ کچھ تو مسکرایا اور مسکراتا ہوا چلا گیا۔ ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ وہ پان والا وہاں نہیں تھا۔ اس نے موٹر کو وہاں روکا اور پوچھا کہ ایک بڑھا یہاں بیٹھا رہتا تھا وہ کہاں ہے؟ جواب ملا، ابھی نماز کو گیا ہے ابھی آتا ہے۔ آپ سمجھے، ایک دن ایسا آتا ہے کہ وہ پوچھنے لگتا ہے۔

نبی پر درود وسلام جو ہے، یہ تعلق کی علت ہے۔ آپ بھی درود بھیجیے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰے سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰے اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ۔ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۝

(الاحزاب ۵۶)

بے شک اللہ اور اس کے تمام فرشتے، ملائکہ، ملک کی جمع ہے۔ جمع کا لفظ جب مضاف ہوا کرتا ہے تو عام ہو جاتا ہے۔ تو ملائکتہ کی طرف مضاف ہے، اس کے معنے ہوئے اس کے تمام فرشتے۔ یُصَلُّوْن یہ مضارع کا صیغہ ہے، حال اور مستقبل دونوں کے لیے آتا ہے۔ حال تو منقطع ہو جاتا ہے۔ جیسے ماضی منقطع ہو جاتا ہے حال سے۔ حال منقطع ہو جایا کرتا ہے مستقبل سے۔ مستقبل لاانقطاع ہے۔ یہ کبھی منقطع نہیں ہوگا، قیامت تک جائے گا۔ اس لیے کہ

مضارع کا صیغہ ہے۔ اللہ پاک ابد تک لا انتہا درود و سلام نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتا رہے گا۔ درود سے زیادہ بڑی کوئی چیز نہیں۔ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ قاعدہ کی بات بتا رہا ہے۔ اے ایمان والو! اور قیامت تک کے کل ایمان والو۔ صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ٥ تم سب درود و سلام اس پر بھیجو اور تسلیم کا جو لفظ ہے یہ مبالغہ کے لئے آتا ہے۔ تکثیر کے لئے آتا ہے۔ بہت زیادہ سلام پڑھو۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ○

یہ سب سے بڑی چیز ہے، اس سے بڑی کوئی چیز نہیں۔ اس سے بہتر کوئی ذکر ہو نہیں سکتا۔ یہ عادت ہے اللہ تبارک وتعالےٰ کی، اللہ جو ہے وہ درود بھیجتا ہے۔ درود بھیجنا یہ اللہ تعالیٰ کا فعل، عادت اور سنت ہے۔ اور نماز پڑھنا یہ کس کی عادت ہے؟ یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عادت ہے؟ یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ خدا نماز نہیں پڑھتا، خدا روزہ نہیں رکھتا، جتنی عبادتیں ہم کرتے ہیں، یہ سب نبیؐ کی عادتیں، خصلتیں اور سنتیں ہیں۔ جو نسبت خدا کو رسولؐ سے ہے، وہی نسبت خدا کی سنت کو رسولؐ کی سنت سے ہے اور خدا کی سنت درود شریف ہے، اور نبیؐ کی سنت عبادت ہے جتنا خدا رسول سے افضل ہے۔ اتنی ہی اس کی سنت رسول کی سنت سے افضل ہے اور اس کی سنت درود اور نبی کی سنت عبادت۔ تو درود شریف سب عبادتوں سے بھی افضل ہوگیا۔ اللھم بارک علی محمد و علی آل محمد کما بارکت علیٰ ابراہیم و علی آل ابراہیم انک حمید مجید۔ کوئی چیز نجات دلانے والی نہیں ہے۔ دنیا میں اور دین میں۔ درود ہی ایسی شئے ہے جو ہر وقت نفع دے گی۔ اس عالم میں بھی اور اُس عالم میں بھی۔ اس مضمون کا تعلق کسی فرقہ سے نہیں ہے، نہ کبھی اس کا تخیل کیجئے۔ مجھے بڑی اذیت ہوتی ہے۔ جو بات علمی ہے، میرے خیال میں بیان کر رہا ہوں، دلیل کا مقدمہ آپ نے سمجھ لیا۔ غور کریں

ہر عبادت میں امکان ہے، نامقبولیت کا، آپ نے نماز پڑھی ضروری نہیں ہے کہ قبول ہی ہو جائے، کبھی قبول ہو جائے گی، کبھی نہیں ہونے کی، ہو سکتا ہے نہ ہو یا چاہے قبول ہو جائے، لیکن امکان ہے ۔ مردود ہونے کا۔ ناقبول ہونے کا امکان ہر عبادت میں موجود ہے۔ اور درود شریف ہی ایسی چیز ہے کہ ہر وقت مقبول ہے۔ تو یہ یقینی ہے کہ قبول ہو، اور عبادت ظنی القبول ہے۔ اور یقینی یہ ظنّی سے افضل ہے۔ درود شریف ہر عبادت سے افضل ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ اپنی حاجت کے لئے دعا مانگتے ہیں تو لازم اور واجب ہے کہ پہلے درود شریف پڑھیں۔ پھر دعا مانگیں اپنی حاجتوں کو پورا کرانے کے لئے اللہ سے۔ پھر درود شریف پڑھیں۔ وہ غفور الرحیم ہے، جب اس کے سامنے یہ خوان جائے گا۔ تین قابیں رکھی ہوئی ہوں گی۔ پہلی درود شریف کی۔ دوسری آپ کی حاجت کی۔ پھر درود شریف کی۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ اِدھر اُدھر سے اٹھالے اور بیچ کی قاب چھوڑ دے۔ رحیم کی شان سے یہ بعید ہے۔ وہ یہ سب ہی لے لے گا۔

آپ غور کیجئے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ سورۃ واقعہ میں، تین گروہوں کا ذکر کیا۔ وَكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ۔ واقعہ آیت ۷۔ جونہی یہ واقعہ پیش آجائے گا۔ یعنی قیامت آجائیگی۔ تو تم تین گروہ ہو جاؤ گے۔ ایک مقربین، اصحاب الیمین، تیسرے اصحاب الشمال۔ معاذ اللہ تین گروہ ہوں گے۔ ان تینوں گروہوں کے واقعات اور حالات اللہ تعالےٰ نے تقریباً ڈھائی رکوع میں بیان فرمائے ہیں۔ تین رکوع کی سورت ہے۔ جب سورۃ کو ختم کیا تو ان تین گروہوں کے حالات کا خلاصہ اور نچوڑ بیان کیا ہے۔ فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۔ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ۸۹ - ۸۸ ۔ جو مقربین میں سے ہے۔ کیا ہے اس کا انجام حشر، اس کی جزا کیا ہو گی۔ راحت ہی راحت، ریحان خوشبو میں معطّر، باغ و بہار، یہ اس کا انجام ہو گا، پہلے گروہ کی تو یہ کیفیت۔ اور دوسرا گروہ وَاِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۔ اللہ تعالےٰ مجھ کو اور آپ کو اسی گروہ میں شامل کر دے۔ اصحاب یمین ان لوگوں کو کہتے ہیں کہ

جن کے سیدھے ہاتھوں میں نامۂ اعمال دیئے جائیں گے۔ مقربین کا تو بڑا درجہ ہے۔ اصحاب یمین ہی میں ہمارا انجام ہو۔ (خداوند تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے انجام بخیر کرے) ان کو کیا جزا ملے گی، ان کو کیا انعام ملے گا فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ (۹۱) اللہ کی طرف سے ان کو سلام ہو۔ اتنے معزز آدمی کا سلام کرنا۔ اس سے بڑی کیا جنت اور راحت ہوگی۔ جن کے نصیب میں یہ نعمت ہوگی۔ سلام اتنی بڑی چیز ہے۔ اصحاب یمین تو خود بڑی چیز ہے۔ یہ خود جزا ہے۔

آپ یہ درود و سلام کا تحفہ خود پیش کر دیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں۔ یا آپ کسی کے ہاتھ سے بھجوا دیں۔ اس کے دونوں معنی ہیں۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ آپ خود پیش کر دیجئے، یا اللہ سے کہہ دیجئے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ۔ ہماری طرف سے دونوں طرح سے یا خود پہنچا دے یا اس کے ہاتھوں سے پہنچا دیں۔ یہ آپ کو اختیار ہے۔

اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کے متعلق کیا بیان کیا جا سکتا ہے۔ ہمیشہ یاد رکھئے جب تعریف کسی کی کی جاتی ہے، جو شخص کرتا ہے، اگر وہ اس کے متعلق پوری معلومات رکھتا ہے۔ جب تو صحیح تعریف کر سکتا ہے، ورنہ نہیں کر سکتا، مثلاً مورخ کو مورخ سے زیادہ واقف ہونا چاہیئے، زیادہ آگاہ ہونا چاہیئے۔ نبی کے برابر یا نبی سے زیادہ کسی کو علم ہو، معرفت ہو تو وہ نبی کا تعارف کرا سکتا ہے۔ وہ معرفت کرا سکتا ہے نبی کی اور کسی شخص کو نبوت کا علم نہیں ہے۔ کسی صدیق میں یہ بات نہیں ہے، یا جو دوسرا صدیقین ہیں، ان میں بھی یہ بات نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح تعریف سمجھے ہوئے ہوں یا بیان کر سکیں۔ نبی کر سکتا ہے، یا خدا کر سکتا ہے۔ غیر نبی میں قابلیت نہیں ہے، یہ عقلی دلیل میں نے آپ کے سامنے بیان کی ہے۔

شرعی دلیل بھی آپ کو سمجھا دوں۔ سمجھ میں آجائے گا، آپ غور کریں۔ اللہ تعالیٰ نے عیسےٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا۔ اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَکَلِمَتُہٗ (النساء ۱۷۱) یہ اللہ کا کلمہ ہیں۔ عیسےٰ علیہ السلام، اللہ کے کلمہ کے کیا معنی۔ کلمۃ اللہ جو ہے وہ لفظِ "کن" ہے اور کوئی کلمہ نہیں ہے۔ یاد رکھیں۔ چونکہ یہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ کوئی ظاہری سبب نہیں تھا۔ اس لئے ان کی طرف "کن" کی نسبت کی گئی۔ اس خصوصیت کی بنا پر ان کو کلمۃ اللہ کہا گیا۔ لیکن حقیقت کلمۃ اللہ کی یہ ہے کہ ہر وہ شئے جو منجانب اللہ ہو وہ کلمۃ اللہ ہے۔ جیسے الم۔ ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَا رَیْبَ فِیْہِ (البقرہ ۔ ۱) یہ منجانب اللہ ہے، لہٰذا یہ کلمۃ اللہ ہے۔ معجزہ کلمۃ اللہ ہے۔ ہر نبی کلمۃ اللہ ہے۔ یہ سب منجانب اللہ ہیں۔ ان کو مخصوص طور پر اس لئے کہا گیا کہ ان کے باپ نہیں تھے۔ اس لئے ان کے لئے یہ لفظ شامل ہو گیا۔ شریعت کی زبان میں۔ ورنہ حقیقت میں کلمۃ اللہ کے معنی منجانب اللہ ہیں۔ ہر وہ شئے جو منجانب اللہ ہے کلمۃ اللہ ہے۔ یہ بات سمجھ میں آ گئی۔ اب اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَوَھَبْنَا لَہٗ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ۔ کُلًّا ھَدَیْنَا۔ وَنُوْحًا ھَدَیْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّیَّتِہٖ دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ وَاَیُّوْبَ وَیُوْسُفَ وَمُوْسٰی وَھٰرُوْنَ وَکَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ۔ وَزَکَرِیَّا وَیَحْیٰی وَعِیْسٰی وَاِلْیَاسَ کُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ۔ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَالْیَسَعَ وَیُوْنُسَ وَلُوْطًا وَکُلًّا فَضَّلْنَا عَلَی الْعٰلَمِیْنَ (الانعام ۸۴، ۸۵، ۸۶)

یہ سولہ نبی ہیں۔ نوح علیہ السلام کو لگائیے۔ سترہ ہوئے۔ اس رکوع میں سولہ سترہ نبیوں کا ذکر کیا گیا ہے اور ان نبیوں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدَی اللّٰہُ فَبِھُدٰھُمُ اقْتَدِہْ (الانعام ۹۰)

یہ وہ حضرات انبیاء علیہم السّلام ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی ہے۔ یہ اللہ سے ہدایت پائے ہوئے ہیں۔ اللہ کے ہدایت یافتہ ہیں۔ ان کا معلم اور استاد اور ہدایت کنندہ صرف اللہ ہے۔ یہ وہ حضرات ہیں۔ آگے اللہ فرماتا ہے۔ اِقْتَدِہْ

اے نبیؐ تم ان کی ہدایت کی پیروی کرو۔ ان کی ہدایت کی اتباع عمداً اقتدا کرو۔ یہ خاتم النبین ہیں، تمام شریعتوں کے یہ ناسخ ہیں۔ یہ ان نبیوں کی کیا اتباع کریں گے۔ اگر اتباع کریں گے۔ عقائد میں تو مقلد ہو جائیں گے۔ اگر شریعت کی اقتدا کریں گے تو ناسخ نہیں رہ سکیں گے۔ اقتدار کس چیز میں کریں گے؟ کیا اتباع کریں گے؟ لہٰذا شرائع مراد نہیں ہو سکتے، عقائد مراد نہیں ہو سکتے۔ اعمال وافعال یہ تو قطعی مراد نہیں ہیں کہ وہ اتباع کر سکتے، وہ ناسخ نہیں ہونے کے، تمام شریعتیں منسوخ ہو چکیں، پھر کس چیز کی اتباع کریں گے۔ ہر ہر نبی میں جو کمالات ہیں۔ ان میں ایک ایک کمال ایسا ہے جو ہر نبی کے ساتھ مخصوص ہے۔ ایک فعل ایسا ہے، وہ اخلاقِ حسنہ، اخلاقِ جمیلہ میں سے ایک ایک نبی متعلق ہے۔ کمالات جتنے بھی تھے وہ انبیاء علیہم السلام میں علیحدہ اور متفرق طور پر تھے۔ تو اے نبیؐ ان میں جو اخلاق اور کمالات ہیں۔ متفرق طریقہ پر وہ سب تم میں ہونے چاہئیں۔ تم جامع کمالات انبیاء ہو۔ اور وہ جو کمال خاص ہے۔ وہ سب منجانب اللہ ہے۔ تو ہر نبی تو کلمۂ رب ہے۔ اور محمدؐ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم جو جامع کمالات انبیاء ہیں، یہ جامعِ کمالات ہیں۔ یعنی (یہ کلماتِ رب ہیں) محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کلماتِ رب، نوح علیہ السّلام، کلمۃ الرب، موسیٰ علیہ السّلام، کلمۃ الرب، عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ الرب۔ محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کلمۃ الرب نہیں۔ بلکہ کلمات الرب یہ کلمے ہیں، وہ کلمہ ہیں۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا۔

کہہ کہ اگر بحر کو روشنائی قرار دے دیا جائے کلمات الرّب کو رقم کرنے کے لئے اور اوصاف کو بیان کرنے کے لئے ختم ہو جائے گا۔ بحر کلمات الرّب رقم ہونے سے پہلے بحر میں صلاحیت ہی نہیں ہے کہ جو کلمات الرب کو رقم کر سکے۔ محمدؐ الرسول اللہ کلمات الرّب ہیں اور کلمات الرّب ناقابلِ رقم ہیں۔ تو مُحَمَّد الرسول اللہ ناقابلِ بیان، کون بیان

کر سکتا ہے، جو بیان کرے گا وہ یا تو جھوٹا ہو گا یا اُس کے اپنے خیال کے مطابق ہو گا۔ کوئی نہیں بیان کر سکتا۔

کوئی ہو، ولی ہو، ابدال ہو، قطب ہو، صدّیق ہو، رئیس الصّدّیق ہو، کیسا ہی قدسیِ اعظم ہو، وہ گھٹ کر فاسق ہو سکتا ہے۔ کیسا ہی فاسق ہو، ترقی کر کے وہ بڑھ کر قطب ہو سکتا ہے۔ نبیؐ کو کتنا ہی کم کر دیا جائے وہ ابو بکر نہیں ہو سکتے۔ نبوّت کا تجزیہ کرتے کرتے کتنا ہی ننھا سا جز نکال لیجئے وہ صدّیقین سے افضل رہے گا، اور جو بڑے سے بڑا نیک امتی ہے، اس کا آپ تجزیہ کریں گے وہ فسق پر آکر ٹھہر جائے گا۔ اور فسق میں اگر رحمت خدا کی شامل ہو، کوئی چور، ڈاکو، زانی وہ قطب، ولی اور ابدال بن جائے گا۔ مگر نبی میں یہ بات نہیں، تمام جہان کے اولیاء جتنے ہیں وہ سب مل کر بھی اس درجہ پر پہنچ ہی نہیں سکتے۔

محمدؐ الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی تعریف کرنا محال اور ناممکن ہے، یہاں تو ایک سمندر ہے یہی مضمون دوسری آیت میں ہے۔ وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّ الْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ (لقمٰن ۲۷)

اِس آیت میں سات سمندر ہیں، اور بحر کو مدد دینے کے لئے اور بحر لایا جائے یہاں تک کہ خدا لا انتہا بحر لا سکتا ہے، پھر بھی رقم نہیں ہو سکتا، اور محمدؐ الرسول اللہ کلمات الرّب ہیں، ۔لہٰذا کلمات الرّب جو ہیں وہ ناقابلِ رقم ہیں۔ محمدؐ الرسول اللہ کے اوصاف اور صفات جو ہیں وہ ناقابلِ رقم ہیں کوئی انسان نہیں بیان کر سکتا۔ صدّیق اکبرؓ یا علیؓ یہ آجائیں اور کل انسان یہ سب مل کر بیان کریں یا ملائکہ، کوئی نہیں کر سکتا، نہ ان کے علم کا حال بیان کر سکتے ہیں نہ عمل کا۔ آپ کیا بیان کر سکتے ہیں۔؟ ازل سے ابد تک کے انسان مل کر خلائق بیان نہیں کر سکتے۔ ہاں بیشک اللہ قادر ہے جو وہ بیان کرتا ہے، ٹھیک ہے، وہ بیان کر سکتا ہے اور کوئی نہیں بیان کر سکتا۔ مگر اس کے سمجھنے کے لئے بھی تو کچھ چاہیئے نا؟ بچہ

کو آپ کتنا ہی بلوغ کی کیفیات سمجھا دیں، بیان سچ ہوگا، حق ہوگا، مگر کبھی بھی وہ سمجھ کر نہیں دے گا۔ نہیں آیا سمجھ میں؟ جو نابالغ ہے وہ کیسے بلوغ کی کیفیات سمجھ سکتا ہے۔ خدا تعالےٰ کا بیان قطعی سچا ہے۔ وہ صحیح تعریف بیان کرے گا لیکن آپ سمجھ نہیں سکیں گے، نہ قرآن کو نہ حدیث کو، صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح نابالغانِ معرفت جو ہیں۔ وہ عرفاء کے صحیح حالات کو نہیں سمجھ سکتے۔ کیا نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی تعریف کر دار ہے۔ میں آپ سے کیا بیان کروں؟ ناممکن اور محال ہے۔ تم چاہو تو میں اپنی عقل کے مطابق کچھ بیان کر دوں۔ وہ تو جتنا میرا علم ہے اس کو میں بیان کر رہا ہوں۔ جو مجھ سے زیادہ جانتا ہے، وہ اس سے زیادہ بیان کر دے گا — مجھے تو اتنا ضرور پتہ چل گیا کہ کچھ پتہ نہیں چلا، بس اس سے زیادہ نہیں معلوم ہو سکتا، بس اتنا ہی بیان کر سکتے ہیں ہم کچھ نہیں بیان کر سکتے۔

آپ غور کر کے دیکھیں۔ آپ کے سامنے میں ایک بات بیان کر سکتا ہوں۔ دینِ اسلام! اسلام کیا چیز ہے؟ اسلام کسے کہتے ہیں؟ دین کا جو لفظ آیا کرتا ہے اور مذہب کا، اس کے اندر تین جز ہوا کرتے ہیں۔ ایک عقیدہ ہوتا ہے، ایک عمل ہوتا ہے، ایک اخلاق ہوتا ہے۔ تین چیزوں سے یہ چیز مرکب ہوا کرتی ہے۔ اس مرکب چیز کا نام مذہب اور دین ہے۔ ہر مذہب کو دیکھ لیجئے آپ۔ اس میں کچھ عقائد ہوتے ہیں، جسے ہم لوگ ایمانیات کہتے ہیں۔ کچھ اعمال ہوا کرتے ہیں۔ جو جوارح سے کئے جاتے ہیں، اعضاء سے کئے جاتے ہیں، کچھ عادات اور خصلتیں ہوا کرتی ہیں۔ ان کو اخلاق کہا کرتے ہیں۔ بس ان تین چیزوں کے مجموعہ کا نام مذہب ہوتا ہے۔ اسلام میں بھی یہی تین چیزیں ہونی چاہئیں اور یہ تینوں چیزیں ہیں۔ پہلا جز اس کا عقیدہ ہے۔ عقیدے جتنے ہیں۔ ان سب میں سب سے بڑا جو عقیدہ ہے وہ توحید کا مسئلہ ہے۔ اسلام کے اندر، ٹھیک ہے نا؟ سب مسلمان کلمہ گو جانتے ہیں۔ توحید کے مسئلے سے بڑا کوئی مسئلہ نہیں ہے عقیدہ کے اعتبار سے، یہ سب سے بڑا عقیدہ ہے۔ یہ اسلام کا عقیدہ ہے، اس عقیدہ کو اگر آپ دیکھیں گے۔ تو بہت سے غیر اسلامی مذاہب میں جوں کا توں موجود ہے۔

برہمہ کا ایک گروہ ہے ہندوستان میں، ان کے ہاں ایسی ہی توحید ہے جیسی مسلمانوں کے ہاں ہے، کوئی فرق نہیں، ماتھے پر تین نشان لگایا کرتے ہیں۔ قشقہ ہندوستان میں دیکھا ہوگا آپ نے۔ وہ براہمہ کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں، ان کے ہاں توحید کامل ہے۔ نبوت کے منکر ہیں۔ توحید مکمل ہے۔ جتنے آسمانی مذاہب ہیں۔ سچے۔ سب میں توحید موجود ہے۔ اور آسمانی مذاہب کے ماننے والے اس وقت موجود ہیں۔ اس دنیا میں اور کل مسلمانوں کے نزدیک وہ جہنمی ہیں یا نہیں؟ جو اس وقت سچی انجیل پر عمل کرے۔ وہ بھی آپ کے نزدیک کافر ہی ہے نا۔ سچی توریت پر عمل کرے تو کافر۔ صحف ابراہیم پر عمل کرے تو کافر، انجیل کو سچا جانے تو کافر۔ تو توحید کا مسئلہ اکثر غیر اسلامی مذاہب میں موجود ہے۔ آپ جو اسلام کا دعویٰ کر رہے ہیں کہ ہمارا مذہب حق ہے۔ جب آپ ان لوگوں کے پاس جا کر کہیں گے تو وہ کہیں گے، یہ ہمارے پاس موجود ہے۔ آپ نئی حقانیت کیا لائے؟ ہمارے ہاں یہ ہے موجود۔ سمجھ میں آگیا نا؟ نبوت کا مسئلہ جو ہے جو تمام آسمانی مذاہب میں موجود ہے۔ عمل کے لئے جزا کا مسئلہ ہے، تقریبًا تمام مذاہب میں موجود ہے سوائے دہریہ کے، دہریے خدا کے قائل نہیں ہیں۔ باقی ہر مذہب خدا کا قائل ہے۔ عمل کے لئے بدلہ ہے، وہ بدلہ خواہ تناسخ کے ذریعہ ہو، خواہ روحانی ہو، کسی اور ذریعہ سے ہو، یا جیسا کہ مسلمان کہتے ہیں۔ میرا بھی یہی عقیدہ ہے۔ خدا میرا اور آپ کا اسی عقیدہ پر انجام کرے کہ دوبارہ اٹھنا پڑے گا۔ قیامت کے ذریعہ تو قیامت کے بھی بہت کثیر کافر قائل ہیں، عیسائی بھی، موسائی بھی، بہت سے لوگ ہیں، تو جتنے بھی اعتقادی مسئلہ آپ لیں گے۔ وہ کل کے کل یا اجزاء کی حیثیت سے متفرق غیر اسلامی مذاہب موجود ہیں۔

آپ کہیں گے کہ اسلام قرآن ہے، ٹھیک ہے، یہ حق ہے۔ آپ کہیں گے الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۛ قرآن کو ہاتھ میں لے کر کہیں گے کہ اس کتاب کتاب میں شک نہیں ہے۔ یہی معنی ہیں نا ٹھیک ہے۔ اگر کوئی یہودی توریت غیر محرف

ہاتھ میں لے کر کہے ذَالِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ تو آپ کیا کہیں گے! کچھ تو بولو؟ ایسا ہی ایمان لانا پڑے گا جیسا قرآن پر ہے۔ ذرا سا فرق کرتے ہی کافر ہو جائے گا۔ عیسائی غیر محرف انجیل ہاتھ میں لے کر کہے ذَالِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ مسلمان کیا کہے گا؟ اٰمَنَّا ٹھیک ہے نا۔ کیا بات ہوئی، کتاب وہاں بھی موجود ہے۔ کیا فرق ہوا، قرآن میں اور اس میں۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ہدایت ہے متقیوں کے لئے۔ اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرٰةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ (المائدہ ۴۴) ہم نے توریت نازل کی تھی اس میں بھی ہدایت اور روشنی تھی۔

تو قرآن جو چیز پیش کر رہا ہے، وہ دوسری جگہ غیر مسلموں میں موجود ہے۔ جن کو آپ کافر اور جہنمی بتا رہے ہیں۔ تو اول سے لے کر آخر تک جتنے بھی عقائد ہیں، یا متفرق طور پر یا مجتمع طور پر دوسری جگہ موجود ہیں۔

اب رہ گیا اخلاق، اخلاق کل کے کل جتنے ہیں، جوں کے توں، مذہب اور لامذہب دہریہ اور غیر دہریہ سب میں مشترک ہیں۔ کسی شخص کے نزدیک ماں باپ کا ستانا اچھی چیز نہیں ہے۔ کسی شخص کے بھی نزدیک محسن کشی، احسان کرنے والے کے ساتھ برائی کرنی، خواہ دہریہ ہو، فلسفی ہو، سب برا سمجھتے ہیں، غرض اخلاقی جتنے علوم ہیں، وہ سب کے سب تمام مذاہب میں موجود ہیں۔

اب رہ گئے عبادات اور معاملات جو ہیں، قریباً سب مذاہب میں موجود ہیں، عبادات کے ادا کرنے کا جو طریقہ ہے وہ کچھ مختلف ہے۔ اور باقی نوعیت، سب جگہ موجود ہے۔ نماز ہمارے ہاں بھی پڑھی جاتی ہے، اور کلیسا میں دوسرے طریقہ سے پڑھی جاتی ہے۔ روزہ ہمارے ہاں جس طریقہ سے رکھا جاتا ہے۔ ان کے یہاں بھی دوسرے طریقہ سے رکھا جاتا ہے۔ حج کرنے کے لئے ہمارے ہاں مکہ جانا پڑتا ہے۔ وہاں کاشی اور سومنات جاتے ہیں۔ سب کے ہاں یاترا ہے، آپ سمجھ گئے۔ کونسی چیز آپ پیش کر رہے ہیں جو ان کے

ہاں نہیں ہے، جو آپ کہیں یہ اچھی چیز ہے؟ جو چیز آپ پیش کریں گے، وہ کہیں گے یہاں موجود ہے۔ تو اسلام تو وہ ہونا چاہیئے جو غیر مسلم کے پاس نہ ہو تو قرآن کو اول سے آخر تک۔ الم سے والناس تک آپ اٹھا کر دیکھیں تمام اغیار میں مذاہب باطلہ ہیں وہ تقسیم ہو گیا کچھ نہیں بچا۔ کوئی چیز آپ نہیں بتا سکتے۔ قصص اولین و آخرین آپ کہیں گے وہ بھی موجود ہیں، دوسرے کے ہاں، تو پھر کیا چیز رہا قرآن؟ کیا چیز رہا اسلام، کوئی چیز نہیں ہے، آپ سمجھ گئے نا!

خدا آپ کو توفیق دے اور ہدایت دے۔ کوئی غلط بات نہ سمجھو۔ صرف ایک ہی قضیہ ہے۔ اسلام اور قرآن میں جو غیر مسلم کے ہاں نہیں ہے وہ ہے محمد الرسول اللہ بس یہ ایک ہی قضیہ ہے۔ اسی کا نام قرآن، اسی کا نام اسلام ہے۔ یہی غیر مسلم کے ہاں پیش ہو گا۔ یہ اسکے ہاں نہیں ہے۔ اسکا وہ منکر ہے۔ جس چیز کا وہ مقر ہے وہ چیز آپکی نہ رہی۔ جس چیز کا وہ منکر ہے وہ ہے آپ کی حقیقت وہ ہے اسلام۔ وہ کیا ہے، بس محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

توحید کوئی چیز نہیں ہے اگر محمد الرسول اللہ کذب کی دعوت دیدیں وہ حق ہوتا۔ انہوں نے کہا خدا واحد ہے! انکے کہنے سے توحید عقیدہ بنا۔ عیسٰے رسول اللہ اور روح اللہ ہیں ان کے کہنے سے عیسٰے کو رسول اللہ اور روح اللہ مانا ہے۔ اگر وہ نہیں کہتے تو نہیں مانتے۔ انہوں نے کرشن جی کے متعلق کچھ نہیں کہا اس لئے نہیں مانتے۔ اگر وہ ان کے متعلق کہتے کہ نبی اللہ ہیں۔ ہم ان کو بھی مان لیتے عیسٰے علیہ السلام کی طرح۔ انہوں نے کہا موسیٰ کلیم اللہ اور رسول اللہ، ابراہیم خلیل اللہ۔ ہر نبی کو انکے کہنے سے مانا ہر عقیدہ کو ان کے کہنے سے مانا۔ خدا کو وحدہٗ لاشریک ان کے کہنے سے مانا۔ انہوں نے کہا کہ یہ کتاب مجھ پر نازل ہوئی مجرد ان کے کہنے سے ہم نے مان لیا۔ قرآن پاک کا جو حصہ مکہ میں نازل ہوا تھا۔ وہ پہلے ہونا چاہئے تھا جو مدینہ میں نازل ہوا تھا وہ پیچھے ہونا چاہیئے تھا۔ مدنی صورتوں کو مقدم کر دیا سورۃ بقر پہلی سورۃ مدنی ہے۔ سورۃ آل عمران مدنی۔ یہ ترتیب و ترکیب کے بالکل خلاف ہے انہوں نے کہا کریونہی حق ہے ہم نے کہا ٹھیک ہے جو یہ کہیں وہ حق۔ کہا کہ خدا کی طرف سے یہ قرآن نازل ہوا۔ ہم نے کہا بالکل حق ہے۔ انہی کے کہنے سے

خدا کو وحدہٗ لاشریک ماننا، انہی کے کہنے سے مردہ کا زندہ ہونا ماننا، انھیں کے کہنے سے کل اخلاق کو ماننا، بس یہی اصل الاصول ہے جو پورے اسلام اور حقائق کو گھیرے ہوئے ہے۔ اگر یہ بندش نکال دی جائے۔ جس طرح جھاڑو میں سے تیلیاں منتشر ہو کر ادھر اُدھر چلی جاتی ہیں۔ آپ کا سارا مذہب منقسم ہو جائے گا۔ کچھ باقی آپ کے پاس نہیں رہے گا۔ اصل الاصول ہے جڑوں کی جڑ محمدؐ الرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔

الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ ۝ یہ ہے نبی کی تعریف، یہ ہے اصل اسلام جو بھی آپ فرمائیں، خواہ وہ عقل کے مطابق ہو، خواہ وہ عقل کے خلاف ہو۔ مجرد آپکے کہنے سے مانا جائے گا۔ کبھی بھی عقل میں آتا ہے کہ آدمی کی گردن کٹ جائے۔ وہ زندہ ہو، دنیا کی کوئی طاقت اس کی زندگی ثابت نہیں کر سکتی۔ وہ مردہ ہے۔ اس کو دفن کر دیا جاتا ہے۔ نہیں کرتے دفن؟ انھوں نے کہا کہ وہ زندہ ہے۔ بَلْ اَحْیَاءٌ وہ زندہ ہیں۔ وَلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ تمھیں پتہ نہیں ہے۔ اس بات کا تو پتہ ہے کہ وہ مُردہ ہے دفن ہو گیا۔ نبیؐ نے کہا نہیں، بالکل متضاد ہو گئی مردہ کو زندہ کہہ رہا ہے۔ نبی کی یہی شان ہے۔

جو تمھاری عقل میں نہ آئے وہ حق ہے اور عقل میں آنے کے بعد ماننا تو پھر ضرورت کیا رہی نبی کی، عقل میں تو صلاحیت ہی نہیں ہے۔ علم حاصل کرنے کی، عقل بالکل ناقص چیز ہے۔ فی نفسہ بڑی غلط فہمی ہوئی ہے لوگوں کو۔ انہوں نے عقلی علم کی بڑی قدر کی ہے۔ یہ نہیں سمجھے کہ عقلی علوم کیا ہیں اور ان کے کیا نتائج ہیں۔ عقل سے جو اب تک علم مُدوّن ہوئے ہیں۔ حساب ہے۔ الجبرا ہے۔ اقلیدس ہے، یہ علوم ریاضیہ ہیں۔ علم صحیح ہے، جس کو سائنس کہتے ہیں جس کا رواج آج کل یورپ میں ہے۔ ایک علم ہے جس کو فلسفۂ الٰہیات کہتے ہیں۔ جس میں مابعد الطبیعت حالات بیان کئے گئے ہیں۔ یہ سب عقلی علوم کہلاتے ہیں۔ ان سب کے جو انجام ہیں۔ ان سے اس دنیا کی زندگی کو سنوارنا ہے۔ انجینیرنگ ہے، وہ مکانوں کے کام میں آرہی ہے۔ عدد کا علم ہے۔ آرتھمیٹک وہ لین دین اور قیمتوں کے تقرر میں کام آرہا ہے۔

علم طب ہے، ڈاکٹری کا علم وہ بدن کی صحت میں کام آرہا ہے۔ ہر علم کو آپ دیکھئے طبعیات کے جو علوم ہیں۔ سفر کو آسان کرنے کے لئے اصول مہیا ہو رہے ہیں۔ یا موت کے اسباب مہیا کرنے کے اصول وضع ہو رہے ہیں۔ بہرحال جو بھی ہے اس زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔

عقل کے جتنے علوم ہیں، لیکن آپ نے کبھی اس بات پر غور کیا کہ بہت بڑی اکثریت ہے۔ زندوں کی جن میں حیات ہے۔ ذی حیات لوگوں کی بڑی اکثریت ہے کہ جن کی اکثریت کے مقابل میں انسان کی اقلیت ہے۔ حیوانات کی اتنی اکثریت ہے۔ کچھ اندازہ ہی نہیں ہے حیوانات کے مقابل میں انسان کتنا قلیل ہے۔ اتنی بڑی اکثریت جو ہے ذی حیات نفوس کی بغیر عقل کی زندگی کو بسر کر رہی ہے۔ انسان تو بڑا بدنصیب ہے کہ ایک عقل کا بوجھ اور اپنے سر پہ لاد کر زندگی بسر کر رہا ہے۔ یہ تو بغیر عقل کے بھی گذر سکتی تھی۔ انتہائی بے عقلی ہوتی ہے۔ مجھے تو معلوم ہوا کہ عقل کا وجود لغو ہے۔ لیکن لغو نہیں ہو سکتا کیونکہ یہی مابین امتیاز ہے اگر لغو قرار دے دو تو انسان حیوان کی مثل ہو گیا۔ اگر اس سے صحیح کام نہ لیا تو اس سے بدتر ہو گیا۔ مابین امتیاز عقل ہی تو ہے۔ تو عقلی مضمون کے ذریعے تو مابین امتیاز ہو نہ سکی صحیح کام نہ لیا جا سکا۔ تو لابد اسکو بتانے کے عقل سے باہر کوئی معلم ہونا چاہیئے۔ اسی معلم عقل کا نام نبی ہے۔ نبی کسے کہتے ہیں۔ معلم عقل کو۔

تجربے سے بھی آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ ہم نے بہت سی کتابوں کو دیکھا۔ ان سے ہمارے دماغ میں مضمون آیا۔ اس کو ہم نے کتاب میں درج کر دیا۔ آپ اس کتاب کو دیکھیں۔ اس سے آپ کے دماغ میں ایک مضمون آ جائے گا۔ آپ اپنا مضمون دوسرے رسالے میں درج کر دیں۔ یہی ہو رہا ہے۔ کتاب سے مضمون دماغ میں آ رہا ہے۔ دماغ سے کتاب میں جا رہا ہے۔ برابر یہی ہو رہا ہے۔ یہ کتاب، یہ دماغ، یہ دماغ یہ کتاب۔ برابر یہ سلسلہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ آپ کی سمجھ میں یہ بات آئی کہ ہر دماغ دو کتابوں کے بیچ میں آ گیا۔ ایک کتاب سے تو ایک مضمون لیا اور دوسری کتاب کو دیا۔ اور ہر کتاب دو دماغوں کے بیچ میں آ گئی۔ جیسے میں نے آپ کو کتاب دی۔ ایک تو میرے دماغ کے بعد آئی اور ایک آپ کا دماغ دو کے بیچ میں آ گیا۔ تو ہر کتاب دو دماغوں کے بیچ میں، اور ہر دماغ دو کتابوں

کے بیچ میں اور بیچ کا تصور ہو نہیں سکتا۔ جب تک پہلی کا تصوّر نہ ہو۔ بیچ جو ہے وسط نہیں معلوم ہو سکتا جب تک کہ ابتداء نہ ہو، وہ بیچ کیسے کہلائے گا۔ بیچ تو اول کے اعتبار سے ہے۔ اگر اول نہیں تو بیچ کچھ بھی نہیں، تو لابُد اول ہونا چاہیئے۔ پہلی کتاب ہونا چاہیئے، پہلا دماغ ہونا چاہیئے۔ پہلی کتاب کتابُ اللہ ہے۔ پہلا دماغ رسول اللہ ﷺ ہے۔ یہ وہ دماغ ہے کہ جس نے کسی انسانی کتاب میں سے مضمون نہیں لیا۔ اور یہ وہی کتاب ہے کہ جو کسی انسانی دماغ کا نتیجہ نہیں۔

آپ غور کیجئے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جتنی چیزیں بنائی ہیں، انسانوں کی ضرورت کے اعتبار سے بنائی ہیں جس شئے کی انسان کو زیادہ ضرورت ہے، اس کا وجود زیادہ بنایا ہے۔ جس شئے کی ضرورت کم ہے اس کا وجود کم بنایا ہے۔ جیسے غلّہ کی ضرورت زیادہ ہے اسے زیادہ بنا دیا۔ پھلوں کی ضرورت کم ہے اس لئے کم بنا دیا، تانبے پیتل کی ضرورت زیادہ ہے اسے زیادہ بنا دیا۔ چاندی سونے کی ضرورت کم ہے اسے کم بنا دیا۔ نمک کی ضرورت زیادہ ہے۔ لال مرچ اور دیگر مسالحوں سے اسے زیادہ بنا دیا۔ پانی کی ضرورت کھانے سے زیادہ تھی، پانی کے دریا کے دریا بہا دیئے۔ کنوئیں بنا دیئے۔ ہوا کی ضرورت اس سے بھی زیادہ تھی۔ اس کو زیادہ مہیا کر دیا۔ اس استقرار سے، اس تجسس سے، یہ بات معلوم ہو گئی کہ جتنی ضرورت زیادہ ہوگی۔ اس شئے کا وجود اتنا ہی زیادہ ہوگا، اب یہ جو نعمتیں ہیں، محاسن ہیں، جو جو اللہ تبارک تعالیٰ نے ضرورت کی نعمتیں مہیا کی ہیں۔ اگر یہ آپ کو حاصل نہ ہوں، کیونکہ یہ انسانی قدرت میں شامل نہیں ہیں۔ انسان کی قدرت میں اگر شامل ہوتے تو نعمتیں اپنے لئے ہر شخص حاصل کر لیتا۔ ایک پچاس روپے مہینہ پا رہا ہے، ایک پانچ سو روپے روپے مہینہ پا رہا ہے۔ اگر پچاس روپے والے کی قدرت میں وہ ہزار روپے ہوتے تو وہ مہیا کر لیتا یا نہیں کر لیتا۔ ہر شخص ان نعمتوں تک پہنچنے پر قادر نہیں ہے۔ یا وہ نعمتیں اس حد تک پہنچنے کے لئے گویا تیار نہیں۔ قدرت سے باہر ہے تو جو شئے قدرت سے باہر ہو اور پہنچنا ضروری ہے اس نعمت تک

خواہ وہ نعمت ہم تک پہنچے یا ہم اس نعمت تک پہنچیں، یہ ضروری ہوگیا نا۔ زیادہ ضرورت ہوئی نا اس کی۔ جتنی بھی چیزیں ہیں، بہت زیادہ پانی کی ضرورت ہے نا، پیدا تو کر دیئے دریا کے دریا لیکن پیاس کے وقت ایک گلاس ہی مل جائے تو غنیمت ہے تو زیادہ ضرورت اس کی ہوئی کہ وقتِ ضرورت مل جائے تو اس نعمت تک پہنچنا زیادہ ضروری ہوگیا۔ اسکی ضرورت سب سے زیادہ ہوگئی تو نعمت تک پہنچنا سب سے زیادہ ضرورت کی چیز ہوا یا نعمت کا اس تک پہنچنا سب سے زیادہ ضروری چیز ہوا۔ بحکم استقراء، آپ سمجھ چکے ہیں کہ جس شے کی ضرورت سب سے زیادہ ہے۔ اسے سب سے زیادہ ہونا چاہیئے۔ تو سب سے زیادہ

ضرورت اِس بات کی ہے کہ وہ نعمت تک پہنچے اور نعمت تک پہنچنا یا نعمت کو منعم تک پہنچانا، اسی کے معنی رحمت کے ہیں۔ اس کے معنی یہی ہیں کہ نعمت پہنچ جائے منعم تک۔ تو سب سے زیادہ ضرورت اِس چیز کی تھی۔ تو سب سے زیادہ اس کو ہونا چاہیئے۔ تو رحمت کا وجود سارے عالم سے زیادہ ہونا چاہیئے کہ سب سے زیادہ اس کی ضرورت ہے۔ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء ۱۰۷) ہم نے تمھیں تمام عالم کے لئے عالموں کیلئے رحمت بنا کر بھیج دیا۔ اس نے کہہ دیا تو وہ سب سے زیادہ اہم چیز اور سب سے زیادہ بڑی چیز ہوگیا۔ رحمت اللعالمین ہوگیا۔ اس کی کیا تعریف کی جاسکتی ہے۔ کیا کہا جاسکتا ہے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

مسلمان قوم کا زوال کسی وجہ سے نہیں ہوا ہے، کوئی وجہ نہیں ہے صرف اس کو اپنے نبی سے علاقہ کمزور ہوگیا ہے بے تعلقی سی ہوگئی ہے اور اس کے مختلف سبب بنے۔ تباہی کا سبب صرف یہی ہے اور کوئی سبب نہیں ہے۔ کسی وقت میں بھی مسلمان کے پاس اتنا روپیہ نہیں تھا جتنا اب اس دور میں ہے۔ کسی مدرسہ میں جتنا روپیہ اب تقسیم ہو رہا ہے۔ کبھی کسی دور میں بھی نہیں ہوا۔

اس کی آپ تحقیق کرلیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اب نبیؐ سے کوئی علاقہ مسلمان کو باقی نہیں رہا۔ یا بہت کم ہوگیا۔ علاقہ کی مثال کے لئے ایک واقعہ بیان کرتا ہوں۔

حدیث شریف میں یہ آیا ہے کہ ایک یہودی نے یہ کہا کہ قسم ہے اُس ذات کی جس نے موسیٰؑ کو مصطفےٰ بنا کر بھیجا۔ ایک صحابی تھے انھوں نے اس کو تھپڑ مار دیا کہ کیا محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلّم پر بھی اصطفےٰ کیا ہے۔ انھیں یہ بات ناگوار ہوئی کہ موسیٰ کی ذات کو اس نے مقصود کیا۔ اُس نے استغاثہ کیا کہ میں ذمّی ہوں اُس نے میرے ساتھ یہ ظلم کیا تو مسلمان اسکی بات برداشت نہ کرسکا۔ حالانکہ وہ واقعہ اپنی جگہ صحیح تھا۔ لیکن مسلمان اس کے لئے تیار نہیں تھا کہ اپنے نبیؐ کے مقابلے پر کسی نبی کو مصطفےٰ سمجھے۔ اب اللہ تعالےٰ اپنا فضل وکرم کرے۔

میں آپ کے سامنے ایک یا دو باتیں اور بیان کردیتا ہوں۔ مجھ میں اتنی استقامت نہیں، مریض ہوں تھوڑا تھوڑا جو مجھ سے ہوسکتا ہے بیان کردیتا ہوں۔

اللہ تعالےٰ نے فرمایا اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ بے شک ہم نے تجھ کو دیا، عطا کیا، عطیہ ہے۔ اعطینا میں تو ہوسکتا ہے کہ کچھ دیتا ہو۔ اس کے لئے اعطینا کا لفظ آسکتا ہے۔ یہ اعطا کا لفظ ہے۔ یہ محض عطیہ کے طور پر تجھ کو کوثر دیدیا، عطا کوثر۔ کوثر کا عطیہ دیا۔ کوثر کے کیا معنیٰ؟ کوثر کی تفسیریں متعدد ہیں۔ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ کوثر جنت میں ایک نہر ہے اور ایک حوض ہے۔ بعضوں نے کہا کہ حوض ہے۔ بعضوں نے کہا کہ نہر ہے، دونوں معنی بیان کئے ہیں۔ عام طور پر مشہور ہے حوضِ کوثر، نہرِ کوثر۔ مفسرین کی یہ رائے ہے۔ کوثر سے مراد یا نہر ہے یا وہ حوض ہے۔

اس جگہ پر یہ محل احسان، ایثار، عطیہ اور امتنان کا ہے۔ اس موقعہ پر حوضِ کوثر کا دینا زیادہ سمجھ میں نہیں آتا، اس لئے کہ نہرِ کوثر یا حوضِ کوثر۔ بہر حال جنّت کا ٹکڑا ہے۔ ایک جزء ہے، جیسے مسجد کا ایک ٹکڑا ہے کنواں۔ مسجد میں کنواں ہوتا ہے نا۔ وہ تمام مسجد کے رقبہ سے بہت چھوٹا ہوتا ہے۔ مسجد میں حوض ہوتا ہے۔ جامع مسجد دہلی کا حوض دیکھا ہے

آپنے۔ جامعِ مسجد سے کتنا چھوٹا ہے وہ۔ اسی طرح جنت میں جو نہر ہے، وہ جنت سے چھوٹی ہے۔ اگر وہ حوض ہے تو وہ بھی جنت سے چھوٹا ہے، اور ایک جنت دو جنتوں سے چھوٹی ہے۔ کیونکہ ایک تو آدھا ہے دو کا۔ دو سے ایک چھوٹا، اور ایک سے حوضِ کوثر چھوٹا۔ تو دو سے حوضِ کوثر اور نہرِ کوثر بہت چھوٹی ہو گئی۔ مقامَ رَبِّہٖ جَنَّتٰنِ جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا۔ اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔ خائف رب کے لئے تو دو جنتیں اور افضل الانبیاء کے لئے جنت کا ننھا سا ٹکڑا یہ نہیں سمجھ میں آیا؟ بعض علماء نے یہ فرمایا کہ اس سے مراد قرآن ہے۔ یہ بھی دل کو نہیں لگتا کہ وہ قرآن ہو۔

کیونکہ جس طرح قرآن منجانب اللہ ہے اسی طرح توریت بھی منجانب اللہ ہے۔ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن دیا اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کو توریت دی ان کی بھی یہی پوزیشن ہے۔ بس ایک فرق ہے ذرا سا باقی سب میں برابر ہیں۔ ان کی عبادت معجزہ ہے۔ ان کی عبادت معجزہ نہیں تھی۔ ان کو بیّن معجزے دیئے گئے تھے۔ آسمانی کتاب ہونے میں ضرور برابر ہیں۔ یہ توریت بھی، انجیل بھی، صحیفۂ ابراہیم بھی وغیرہ۔ بعض لوگوں نے کہا کہ کوثر سے مراد اولاد ہے۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً (الرّعد ۳۸) سوائے عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کے تمام انبیاء کی بیویاں بھی تھیں اور اولاد بھی تھی۔ یہ بھی کوئی نرالا عطیہ نہیں ہے۔ بہر حال علماء نے یہ فرمایا کہ اس سے مراد متبعین ہیں۔ ٹھیک ہے، سب سے زیادہ ہیں یہاں، لیکن ان کے ہاں بھی ہیں، قلت سہی لیکن نوعیت مشترک ہے۔ علماء ہیں۔ ان کے ہاں بھی ہم نے امام پیدا کئے، ہمارے احکام کی ہدایت کیا کرتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کے ہاں، یہاں بھی علماء ہیں،

اس میں کوئی شک نہیں کہ زیادہ ہیں۔ یہ ٹھیک ہے۔ کمی بیشی ضرور ہے، نوعیت ایک ہے۔ بہر حال تقریباً پندرہ تفسیریں کی ہیں جو مجھے یاد آتی جا رہی ہیں میں آپ کے سامنے بیان کرتا جا رہا ہوں۔ جو چیزیں تفسیر میں بیان کی گئی ہیں وہ سب مشترک ہیں۔ محمد

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم اور دیگر انبیاء میں۔ خواہ وہ اشتراک کُلّی ہو یا جزوی مشترک ضرور ہے، اور مشترک عمل اس قابل نہیں ہے کہ اس کو امرِ مختص بنایا جائے اور اس کو خصوصیت دی جائے۔

(کوثر کی یہ تفسیریں جو ہیں) بعضوں نے کہا اسلام جیسے اسلام ویسے عیسائیت، اور ہر زمانے کے نبی کا جو مذہب ہے۔ جو اس مذہب کی حیثیت ہے، وہی اس کی ہے۔ اسلام کی خصوصیت نہیں۔ سب مذاہب منجانب اللہ ہیں، اور حق ہیں۔ تمام انبیاء کے معجزات وہاں بھی ہیں، یہاں بھی ہیں۔ بلکہ بیّن معجزے وہاں زیادہ ہیں، یہاں کم ہیں۔ معجزات جو انبیاء علیہم السّلام کو دیئے گئے تھے قدیم انبیاء کو اس نوعیت کے معجزے یہاں نہیں ہیں، اُن کے تو بیّن تھے۔ اتنا بیّن معجزہ یہاں نہیں ہے۔ محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کا معجزہ بیّن نہیں ہے۔ میرے ہاتھ ایک کتاب لگی۔ جہانگیر کے شاہی کتب خانہ کی مُہر لگی ہوئی تھی۔ اس میں ایک عیسائی کا اور مُلّا کا مناظرہ تھا۔ قلمی نسخہ تھا۔ وہ میں نے حکیم اجمل خاں کو دیدیا۔ وہ کتاب نواب فیض احمد خاں کے ہاں پڑھی جایا کرتی تھی۔ اس میں بہت بحثیں تھیں۔ عیسائی اور مسلمان کی بحث ہو رہی تھی، دونوں بحث کر رہے تھے۔ اس نے یہ جواب دیا کہ ہمارے نبیؑ کے معجزات بڑے بیّن ہیں۔ احیائے موتا۔ مُردے کو زندہ کرنا، کوڑھی کو تندرست کر دینا، ایسے ہی معجزے بہت سے ہیں، ان کے۔ تمہارے نبیؐ کے ہاں ایسے معجزے نہیں ہیں۔ ہمارے علماء نے ان معجزات کی کثرت کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ کی جو صورت ہے، یہ تین آیتوں کی ہے اور اُس کے ساتھ چیلنج ہوا ہے۔ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ۔ یہ سورۃ بھی اس قابل ہے کہ اس کے ساتھ چیلنج ہو۔ اس کی مثل نہیں لا سکتے۔ گویا تین آیتوں کی مثل نہیں لا سکتے۔ اور قرآن شریف میں تقریباً چھ ہزار آیتیں ہیں۔ چھ ہزار آیتوں کی ایسی تین تین آیتوں کے اگر ٹکڑے کئے جائیں تو دو ہزار بن گئے۔ ہر آیت کے ساتھ معجزہ ہے تو ہمارے نبی کے ۲ دو ہزار معجزات ہیں۔ اس قسم کے جوابات اس لئے دیئے۔ بہت اہلِ علم لوگ

جمع تھے۔ آج سے ۵۰ سال پہلے بڑے ذی علم لوگ جمع تھے۔ یہ واقعہ تقریباً چالیس پنتالیس برس کا ہے۔ یہ ذکر ہو رہا تھا، چلتا آرہا تھا۔ میں نے بہت بڑے اماموں کی کتابوں میں بھی یہ مضمون دیکھا، جو میں آپ کے سامنے بیان کر رہا ہوں۔ تو یہ بات جو ہے صحیح نہیں ہے۔ غیر صحیح دلیل سے ثابت کرنا، ثابت نہ کرنا اس سے بہتر ہے۔ یعنی غلط قدم اٹھانے سے نہ اٹھانا بہتر ہے۔ قدمائے علماء یہ بیان کرتے چلے آرہے ہیں۔ ہزار ہزار برس کے۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔

ایک تو یہ بات ہے اس کے اندر کہ وہ نوعیت ایک ہے۔ موسیٰ علیہ السلام سے عصاء کا معجزہ دس دفعہ ہو تو اُسے ایک ہی معجزہ سمجھا جائے گا۔ معجزۂ عصاء حالانکہ کئی دفعہ ہوا ان سے تو وہ کئی آیتوں سے شمار نہیں ہوا۔ ایک ہی آیت ہے وہ، وہ نوعیت ایک ہی ہے، معجزہ ایک ہی رہے گا۔ اس کے علاوہ پھر وہی دقت ہوئی۔ پھر اس کا حل کیا ہے۔ آپ سمجھے اسے۔ وہ غلط فہمی ہوئی ہے۔ معجزے کی جو کثرت ہے وہ فضیلت نبی کی نہیں ہے۔ یہ نئی بات ہے۔ ہمیشہ یاد رکھیں کہ معجزہ تائید کے لئے آیا کرتا ہے اور تصدیق کے لئے۔ یہ تصدیق ہو جائے کہ یہ اللہ کا بھیجا ہوا ہے۔ اگر کوئی شخص آپ کے پاس آئے اور اگر یہ کہے کہ وزیر کا، سفیر کا یا صدر کا یہ حکم ہے، اور ہو وہ معمولی آدمی، تو آپ کو اس کی بات کی تصدیق نہیں ہونے کی۔ آپ اس سے پوچھیں گے کہ کوئی نشانی، کوئی سند لاؤ، تو وہ مونوگرام لگا ہوا، چھپا ہوا کاغذ دکھائے گا۔ تو آپ کو اطمینان ہو جائے گا۔ وہی بات اگر یہاں کوئی انتہائی معزز سفیر بیٹھا ہو۔ وہ کہہ دے تو اس سے آپ کچھ نہیں پوچھنے کے یقین کر لیں گے۔ تو جتنا کمزور سفیر ہوگا اتنی ہی قوی سند اس کو لانا پڑے گی۔ چونکہ عیسےٰ علیہ السلام کے تو نسب میں شک ہو رہا تھا، اس لئے نہایت قوی معجزہ دینا پڑا ان کو۔ اور ہر وقت ان کی تائید کے لئے اپنا آدمی مقرر کر دیا۔ وَاَیَّدْنٰہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ہ ملازم کو ساتھ رکھا کہ اس کے ساتھ رہو۔ کمزور بچہ ہے۔ اور آپ کے لئے حکم ہوا کہ یہ پہاڑ جو ہیں سونے کے کر دیئے جائیں۔ ارشاد ہوا۔ کچھ نہیں، میں ان سے سلٹ لوں گا، میں تو آؤں تمھاری مدد کو۔ کہا نہیں نہیں۔

جوان بیٹا جاتا ہے۔ اِس کے لئے امداد کی ضرورت نہیں، چھوٹا بچہ جاتا ہے اس کے لئے نوکر ساتھ بھیجنا پڑتا ہے۔ تو محمد الرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اتنے قوی تھے نبوت میں۔ ان کو اتنی تائید کی ضرورت نہیں تھی یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاءَهُمْ (البقرہ ۱۴۶) وہ اتنے نمایاں تھے کہ جس طرح اپنے بچوں کو پہچانتے ہیں۔ بیٹوں کو، اسطرح نبوت کے آثار نمایاں تھے۔ اسی لئے تو کثرت کی ضرورت نہیں۔ اسی لئے تو وہ کہتے تھے فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَا اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ (الانبیاء ۵) ایسا معجزہ لاؤ نا جیسے اگلے لائے تھے۔ مَا اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ (۶)

جو پہلے نبی بڑے بڑے معجزے لائے تھے کیا وہ (لوگ) ایمان لے آئے تھے! جو تم ایمان لے آؤ گے۔ ایسے معجزے دیکھ کر۔ وہ پالیسی بھی فیل ہو گئی۔ یہاں فیل کرنا نہیں ان کو برباد کرنا تھا۔ انکار کرتے ہی وہ برباد ہو گئے، انھیں برباد کرنا نہیں۔ اس لئے بیّن معجزہ لانا نہیں۔ دیکھتے ہی صورت سے معلوم ہو گیا۔ وہ ایمان لے آئے (دوسری بحث میں چلے گئے، اب آیت کی تفسیر کر دیں، اور مضمون کو ختم کر دیں)

بہرحال یہ تفسیریں میرے نزدیک یہاں چسپاں نہیں ہیں۔ فی نفسہٖ اپنی جگہ پر ٹھیک ہوں۔ لیکن یہاں محل احسان ہے اور امتنان ہے، اِس لئے یہاں یہ مناسب نہیں ہیں۔ حقیقی تفسیر اسکی یہ ہے۔ میں آپ کے سامنے بیان کر رہا ہوں، یہ کوثر کا جو لفظ ہے، یہ کثرت سے مشتق ہے۔ جیسے جوہر کا لفظ جہر سے مشتق ہے۔ جہر کے معنی ظہور۔ جوہر اس کو کہتے ہیں جس میں زیادہ ظہور ہو۔ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ غایت درجہ ظہور ہو۔ جوہر کو جوہر اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں بہت ظہور ہوتا ہے۔ چمک بہت ہوتی ہے۔ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اسی طرح کوثر جو ہے بروزن فعل ہے۔ یہ مبالغہ کیلئے آیا کرتا ہے۔ غایت درجہ کی کثرت، اور کثرت کی غایت جو ہوا کرتی ہے وہ اُس شئے سے جس کی وہ غایت ہے خارج ہوا کرتی ہے۔ خارج نہ ہو تو داخل ہو کر جُز بن جائے گی۔ داخل کے معنی جُز کے، کثرت کی غایت جو ہے وہ کثرت سے خارج ہے۔ خارجِ کثرت صرف وحدت ہے اور کوئی شئے

نہیں۔ اور وحدت کا جو حقیقی مصداق ہے وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ جو شئے بھی خدا نبی صلے اللہ علیہ وسلّم کو دے گا وہ نبی سے گھٹیا ہے۔ اور گھٹیا دے کر احسان نہیں جتا سکتا۔ لوح و قلم، عرش و کرسی، ملائکہ، حور و قصور، کیا دے گا۔ وہ سب چیزیں اُن سے گھٹیا ہیں۔ گھٹیا چیز دے کر کیا احسان جتا رہا ہے۔ وہ چیز نبی کو دینی چاہیئے جو عمدہ سے عمدہ ہو۔ وہ صرف اس کی اپنی ذات ہے۔ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ کا مطلب ہے میں تیرا ہوگیا۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمْ۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ میں تیرا ہوگیا تو اب تجھے کیا کرنا چاہیئے۔ پہلے آپ صلاۃ کی حقیقت سمجھ لیں۔ نماز تمام عبادات کو شامل ہے سوائے مالی عبادت کے۔ حج اس کے اندر موجود ہے۔ روزہ اس کے اندر موجود ہے۔

——— جو حج میں ممنوع وہ اس میں ممنوع اور اس کے علاوہ اوراذکار، درود شریف، تسبیح و تحمید سب کچھ ہے صرف زکوٰۃ مالی عبادت شامل نہیں ہے، باقی کل ہے۔ جامع عبادات ہے نماز بہت بڑی چیز ہے۔ پوری دنیا سے افضل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب انسان نماز پڑھتا ہے تو دونوں ہاتھ اُٹھاتا ہے۔ کانوں تک جو ہاتھ اُٹھانا ہے یہ اظہارِ بے اعتنائی ہے۔ مثلاً میرا لڑکا نااہل ہے۔ آپ کہیں کہ میں نے فلاں بُری جگہ اُسے دیکھا ہے، میں اتنا ملال ہوں اسلئے دُور ہوں، میں نے کہا کہ میں نے تو اُس سے ہاتھ اُٹھالیا، کہیں جائے، کہیں رہے۔ ہاتھ اُٹھانے کے معنی ہیں بے پروائی، بے تعلقی۔ دونوں ہاتھ اُٹھانے کے یہ معنی ہیں کہ میں نے اس دنیا سے اور اُس دنیا سے، اِس جہان سے اور اُس جہان سے، دنیا اور عقبےٰ دونوں سے ہاتھ اُٹھالئے۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ اب میں ان دونوں سے ہٹ کر بڑے کی طرف متوجہ ہوا۔ دونوں صغیر اور اصغر کو چھوڑ دیا۔ اتنی بڑی عبادت ہے۔ یہ ایک ہی عبادت اِس قسم کی ہے۔ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ دنیا کے جتنے عیب اور برائیاں ہیں ظاہری و باطنی سب ترک ہوئیں۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ کے معنی یہ ہیں کہ پوری بدنی عبادت اور قلبی و زبانی عبادت گویا پوری ذات کی عبادت آگئی۔ ذکر میں دل سے اس کی یاد میں مشغول ہوگیا۔ ہاتھ یوں بندھے

بندھے ہوئے۔ جہت کو بھی نہیں بدل رہا۔ تو پورا کا پورا جھک جا۔ وَانۡحَرۡ اور قربانی کر۔ قربانی کا جو مصرف ہے۔ کیونکہ وہاں اونٹ بڑی قیمتی چیز تھا۔ تو خرچ جو تھا سب سے زیادہ قربانی میں ہوا کرتا تھا۔ یعنی تو جان اور مال سے میرا ہو جا۔ میں تیرا ہو گیا اور تو میرا ہو جا۔ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ۔ شَانِئَكَ کے معنی معارض، مقابل، مخالف، جو تیرا مخالف ہے وہ ابتر ہے۔ وہ مصنوعی وجود ہے۔ اسے موجودات کی نسبتوں میں سے کوئی نسبت نہیں ملنے کی۔ وہ دنیا کی جو یہ موجودات میں گھٹیا سے گھٹیا وہ شے ہے جو تیرے خلاف ہوا وہ میرا نہیں ہے۔ میں کوئی نسبت اس کو نہیں دوں گا۔ مٹی کے برابر بھی نہیں یٰلَیۡتَنِیۡ كُنۡتُ تُرٰبًا۔ وہ کہے گا۔ کاش مٹی کی نسبت مجھ کو مل جاتی۔ اِس نسبت سے بھی اسے خارج کر دیا۔ تو میں تیرا ہو گیا، تو میرا ہو جا۔ جو تیرا نہیں ہے وہ میرا نہیں ہے۔ یہ ہے شان نبیؐ کی اُن کی کیا تعریف کوئی کر سکتا ہے۔ نبیؐ پر بہت درود بھیجا کرو۔ آخرت میں نبیؐ ہی تمھارے کام آئے گا۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی نَبِیِّنَا وَمُرۡشِدِنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ اَجۡمَعِیۡنَ ۝

ایک اصولی چیز آپ سمجھیں، اللہ تبارک و تعالےٰ نے عالم کو ایجاد کیا۔ پیدا کیا اور کوئی موجود ایسا نہیں ہے جو وحدت سے خالی ہو۔ حقیقی وحدت موجود تھی۔ ازل سے ابد تک، تو کسی واحد چیز کو بنانا مقصود نہیں ہونے کا۔ وہ حاصل کی تحصیل ہوگی۔ مصنوعی وحدت کی ضرورت کیا ہے، جب حقیقی وحدت موجود ہے۔ اللہ تبارک و تعالےٰ وحدتِ حقیقی ہے۔ اب کسی واحد کو وہ پیدا کرے تو اس کا پیدا کرنا بے معنی ہے۔ اِس لئے کہ حقیقی واحد موجود ہے۔ نقلی اور مصنوعی واحد کے پیدا کرنے کا فائدہ کیا۔ اِس لئے مقصودِ کائنات وحدات نہیں ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے جو مفرد چیزیں بنائی ہیں وہ مقصود نہیں ہیں۔ یہاں بھی صناعوں کے ہاں دیکھئے، کاریگر جو بڑے ہیں ان کے ہاں بھی جو مفردات ہوا کرتے ہیں وہ مقصود نہیں ہوا کرتے۔ بلکہ ان سے مرکب مقصود ہوا کرتے ہیں۔ معمار ہیں، اینٹ، پتھر، روڑا مفرد شکل میں۔ ہر وقت، ہر جگہ موجود ہوا کرتے ہیں۔ وہ مقصود نہیں ہوا کرتے۔ ان کو جو جمع کیا جاتا ہے، ان سے کوئی مرکب بنایا جاتا

ہے ۔ مثلاً عمارت بنائی جاتی ہے، دواؤں میں جو مفردات ہوتے ہیں وہ مقصود نہیں ہونے بلکہ ان کے مرکبات معجون مقصود ہوتے ہیں ۔ موٹر ہے ۔ اس کے چھوٹے چھوٹے سے پرزے اسی لیے مہیا کیے جائیں گے کہ آخر میں موٹر بنانا ہے ۔ گویا صنعت سے مقصد ترکیب ہے ۔ مرکب ہے ۔ مفردات جو ہوا کرتے ہیں وہ مقصود بالغرض ہوتے ہیں مرکبات کے لئے ان کو پیدا کیا جاتا ہے ۔ یا مہیا کیا جاتا ہے ۔ مرکب کے لیے، خود وہ مقصود نہیں ہوا کرتے ۔ ہر چیز میں آپ دیکھ لیں گے ۔ سالن مقصود ہے، اس کے جو مفردات ہیں گوشت گھی وغیرہ ۔ وہ درحقیقت ذریعہ ہیں سالن کے ۔ وہ مقصود نہیں ہیں ۔ اگر وہ مقصود ہوتے تو لکانے کی مشقت نہ کی جاتی ۔

خلاقِ عالم نے سب سے پہلے ملائکہ کو پیدا کیا، وہ مفرد تھے، وہ مرکب نہیں تھے ۔ جس طرح اور انسان وغیرہ ۔ اگر ملائکہ مقصود ہوتے تو صنعت کا کام وہیں ختم ہو جاتا ۔ معمار کا مقصد مکان بنانا ہے ۔ جب بلڈنگ بن گئی تب اجزاء کی ضرورت نہیں رہتی، کسی شئے کی ضرورت باقی نہیں رہتی ۔ اگر مقصدِ تخلیق ملائکہ ہوتے تو جو نہی ملائکہ کو پیدا کیا تھا اس کا کام ختم ہو جاتا، اور تخلیقِ عالم وہیں بند ہو جاتی، لیکن تخلیق جاری رہی، اس سے معلوم ہوا کہ ملائکہ کا پیدا کرنا مقصود نہیں تھا ۔ سمجھو بڑی بات ہے ۔ غور کرو، افلاک اور ملائکہ اور جتنے بھی مفردات ہیں، یہ مقصود نہیں ہیں، کل کائنات میں سے کوئی مفرد مقصودِ صنعت نہیں ہے ۔ صانع کا مقصد یہ مفردات نہیں ہیں بلکہ مرکبات ہیں ۔ اب عناصرِ اربعہ یہ بھی مفرد ہیں ۔ یہ بھی مقصود نہیں ہیں ۔ بلکہ ان سے جو مرکب ہیں ۔ جمادات گو مفردات کے مقابلے میں ضرور یہ مقصود ہیں لیکن یہ اجزاء ہیں کسی اور مرکب کے، یعنی نباتات کے، آگے چل کر یہ بھی مقصود نہ رہے ۔ کیونکہ درحقیقت نباتات اجزاء ہیں حیوانات کے، مگر آگے یہ بھی مقصود نہ رہے، حیوانات نباتات کے مقابل میں بے شک مقصود ہیں، لیکن درحقیقت یہ بھی اجزاء ہیں انسان کے ۔ یہ انسان میں خرچ ہو رہے ہیں ۔ تو جو شئے دوسرے میں خرچ ہو رہی ہے وہ شئے مقصود نہیں، بلکہ وہ شئے مقصود ہے کہ جس میں وہ شئے صرف ہو رہی ہے ۔ اس اصول کو سمجھ گئے؟ جو شئے کسی دوسری شئے میں

خرچ ہورہی ہے۔ وہ شئے مقصود نہیں ہے، بلکہ جس میں خرچ ہورہی ہے وہ ہے مقصود، تو اشیاء برابر صرف ہوتے ہوتے انسان آگیا، انسان کسی چیز میں خرچ نہیں ہورہا کسی میں کام نہیں آرہا۔ کل اشیاء اسی میں صرف ہورہی ہیں۔ یہ تجربہ آپ کو عقل سے ہورہا ہے۔ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ کائناتِ سماوی اور کائناتِ ارضی سب تمھارے واسطے مسخر ہوئیں۔ وَخَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ہ اور تمھارے لئے تمام روئے زمین کی چیزوں کو پیدا کردیا۔ کل اشیاء تمھارے لئے ہیں، تم ان میں سے کسی شئے کے لئے نہیں ہو۔ اس کائنات کی سب چیزیں تمھارے لئے ہیں۔ تم کسی شئے کے لئے نہیں ہو۔ اس کائنات سے باہر کسی اور کے لئے ہو۔ تم خالق کائنات کے لئے ہو۔ کل اشیاء انسان کے لئے بنیں۔ انسان خالق انسان کے لئے بنا۔ جتنے بھی انواعِ موجودات ہیں وہ کل کی کل نوعِ انسان میں خرچ ہورہی ہیں۔ بالواسطہ یا بلاواسطہ۔ سوسو واسطے سے۔ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ۔ کچھ ایسے وسائل ہیں جن کو تم نہیں جانتے۔ ایسے ذرائع بھی ہیں۔ پتہ ہی نہیں چلتا کہ انسان کے کس کام آئے گی۔ لیکن یہ ہے کہ ضرور کسی نہ کسی توسل سے جاکر کام آئے۔ کل مخلوقات انسان کے کام کے لئے بنی ہیں۔ انسان کسی کے کام کے لئے نہیں بنا۔ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ سوائے اپنے رب یعنی خالق کے کام کے لئے۔

تو اب اس کائنات میں غور کریں، افضل کون سی چیز ہوئی؟ انسان! نوعِ انسانی، تمام انواع موجودات سے انسان افضل ہوگیا۔ کل مخلوقات میں ہر مخلوق سے کل انواع میں ہر نوع سے افضل ہوگیا۔ ملائکہ سے بھی افضل ہوگیا۔ گویا مقصود کائنات انسان ہے۔ اب انسان کی تین قسمیں ہیں۔ ایک انسان کافر ہے، ایک انسان مومن ہے، ایک انسان نبی ہے۔ تینوں قسم کے انسان ہیں۔ جبکہ نوعِ انسانی تمام کائنات سے افضل ہوگئی۔ ان میں ایک فرد یعنی کافر موجود ہے۔ کافر کے کیا معنی کہ وہ انسان کہ جو جس کام کے لئے بنایا گیا تھا اُس کام میں وہ صرف نہیں ہوا، وہ اپنے خالق کے لئے بنایا گیا تھا۔ اختتام میں خالق پر نثار نہیں ہوا۔ خالق کے

کام میں وہ نہیں آیا، اُس کا بننا نہ بننے کے برابر ہو گیا۔ وہ بگڑ گیا۔ جیسے کہ سالن کی دیگ سڑ جائے پھینکی جاتی ہے کھانے کے کام میں نہیں آئے گی۔ حالانکہ ننھا سا جز گھٹیا سا جز جو نمک ہے وہ رکھ لیا جائے گا مگر دیگ پوری پھینک دی جائے گی۔ اس میں اگر چوہا پڑ جائے یا سڑ جائے تو پورا قورمہ یا پوری بریانی کی دیگ بے کار ہو گئی پھینک دی جائے گی۔ اور ننھا سا جز جو مٹی ہے یعنی نمک جو بچ گیا ہے، وہ رکھ لیا جائے گا کہ وہ کام کا ہے۔ اسی طرح کافر کہے گا یٰلَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرٰبًا کہ کاش میں گھٹیا سے گھٹیا، جز یعنی مٹی ہوتا، میں گھٹیا جز بننے کے قابل بھی نہیں ہوں۔ سیب کتنی عمدہ چیز ہے۔ ذرا بگڑ جائے، سڑ جائے تو سارا پھینک دیا جائے گا۔ لیکن دوسرا اچھا سا بھی ہے وہ رکھ لیا جائے گا۔ کافر کے معنی یہ ہیں کہ وہ قطعی بہترین موجودات میں سے تھا لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝ بہترین قوام میں سے ہم نے بنایا انسان کو۔ اس کا قوام بہت اچھا تھا۔ چونکہ وہ سڑ گیا اس لئے وہ بیکار ہو گیا۔ اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ۔ وہ ہر جز سے گھٹ گیا، تمام کائنات سے بدتر ہو گیا۔ اُولٰٓئِکَ ھُمْ شَرُّ الْبَرِیَّۃِ۔ وہ بدترین خلائق ہو گیا جس طرح وہ دیگ بدترین خلائق ہو گئی۔ اپنے سب جزوں سے بدتر ہو گئی، اسی طرح وہ انسان جو اپنے رب کے کام میں نہیں آیا، تمام کائنات کی ہر گھٹیا سے گھٹیا نوع سے بدتر ہو گیا، سڑ گیا جس کام میں اُس کو آنا تھا اُس کام میں وہ نہیں آسکا، یعنی کافر خارج ہو گیا۔

اب دو گروہ رہ گئے، ایک مومن دوسرا نبی، مومن کا خود مستقل وجود نہیں ہے۔ مستقل وجود ایمان کا نہیں ہے۔ اس کی روشنی ایسی ہے جیسے کہ ظِل یا سایہ، روشنی کا۔ یہ تابع ہے اس (سورج کی) روشنی کے۔ اگر وہ روشنی نہ ہو تو یہ نہ ہو۔ ایمان جو ہے مومن کا، یہ درحقیقت نبوت کے تابع ہے۔ اگر نبوت نہ ہو ایمان نہ ہو تو مومن مستقل شئے نہیں ہے، تو مستقل انسان جو ہوا وہ نبی ہے۔ نبی تمام موجودات سے افضل ہو گیا۔ انبیاء علیہم السلام تمام کائنات سے افضل ہیں۔

اب اس نے نبوّت بنائی۔ نبوّت کسے کہتے ہیں۔ خطابِ ربّانی کو یاد رکھو۔ اللہ تعالےٰ جس بشر سے خطاب کرے۔ بس اس خطاب ہی کا نام نبوّت ہے اور وہ بشر جو ہے وہ نبی ہے۔ اُس نے کہا کہ یا آدمُ اسکُنْ اَنتَ وَزَوجُکَ الجَنَّۃَ۔ اے آدم رہو سہو جنت میں۔ اب نبی بنایا اس نے۔ نبوّتِ آدم متحقق ہوئی۔ متحقق ہونے کے بعد اس کو ختم کر دیا۔ ختم ہو گئے وہ۔ ختم ہونے کے بعد اُس نے دوسری نبوت بنائی۔ اس سے یہ پتہ چل گیا کہ وہ نبوّت مقصود نہیں تھی، اگر وہ مقصود ہوتی تو آگے کاریگری جاری نہیں رہتی۔ اگر نبوت آدم مقصود ہوتی جو متحقق کی تھی، اور دیگر نبوتوں کی ایجاد کی ضرورت باقی نہیں رہتی لیکن اسے ختم کر دیا۔ ختم کر کے کہا یا نُوحُ اھبِط اے نوحؑ اتر۔ اب نوحؑ نبی ہو گئے۔ اگر نوحؑ کی نبوّت مقصود ہوتی، یہی رہتی، آگے کوئی اور نہ بنتی۔ پھر کہا یا اِبراھیمُ اَعرِض عَن ھٰذا۔ اے ابراہیمؑ جانے بھی دے۔ ابراہیم علیہ السلام کی نبوت ہوئی۔ اسے بھی ختم کیا۔ پھر کہا یا یَعقُوبُ یا یُوسفؑ یا فلاں، فلاں۔ پھر کہا یا موسیٰ انی انا اے موسےؑ میں میں ہی ہوں۔ اگر ان کی نبوت مقصود ہوتی تو آگے نبی نہ بنتا۔ پھر کہا یا یحییٰ یا ذکریاؑ یا داؤدؑ یا عیسیٰؑ سب نبوتوں کو بناتا رہا اور ختم کرتا چلا گیا تو معلوم ہو گیا کہ ان نبوتوں میں سے کوئی سی بھی نبوت مقصدِ تخلیق نہیں ہے۔ گویا مقصدِ کائنات نہیں ہے۔ کیونکہ اگر مقصد حاصل ہو جائے تو اس کے بعد کام ختم ہو جانا چاہیئے۔ حضرتِ عیسےٰ علیہ السّلام کو کہا یا عیسیٰؑ وہ بھی ختم ہوئے۔ پھر آگے سب کے بعد محمدؐ الرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کی نبوّت کو بنایا، اور کہا کہ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّن رِّجَالِکُم وَلٰکِن رَّسُولَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیءٍ عَلِیماً ہ نبوّت کا کام ختم ہو گیا، نبوّت ختم ہو چکی تو معلوم ہوا کہ یہی نبی مقصود ہے، یہی مقصودِ کائنات ہے۔ اسی کا پیدا کرنا تھا تمام عالم کو اسی کے لئے پیدا کیا ہے۔ یہی نبی مقصود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس نبی کو نام لے کر نہیں پکارا۔ سب کا قرآن میں نام آیا یا آدم یا نوح یا ابراھیم یا داؤد یا موسیٰ

یا عیسےٰؑ - ان کو کہا یا اَیُّھَا الرَّسُول ۔ اتنا معزز نبی ہے ۔ یہی مقصدِ کائنات ہے ۔ یہی تخلیقِ عالم کا مقصد ہے ۔ اسی نبوّت پر ختم ہوا، اور اسی مضمون پر ہم نے اپنے بیان کو ختم کر دیا، اب سب لوگ اُپنے نبی پر دُرود و سلام بھیجو۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ مَّعْدَنَ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ

اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

گذارش

زیرِ نظر کتاب کی افادیت کا اندازہ ناظرین کو ہو گیا ہو گا۔ حضرت علامہؒ کے بیش بہا مضامین کا ایک بڑا ذخیرہ ٹیپ ریکارڈ کی شکل میں بحمد اللہ محفوظ ہے۔ اس ذخیرے میں متعدد عنوانات پر بحث کی گئی ہے اور بڑے نادر مضامین آگئے ہیں۔ یہ ذخیرہ حاجی محمد صدیق صاحب طیبی سینٹر شاہراہِ لیاقت کراچی کے پاس محفوظ ہے اور اس کی مجموعی تعداد ۳۰۰ ٹیپوں پر مشتمل ہے۔ اہلِ خیر اور اہلِ نظر حضرات جن کو دینی علوم کی اشاعت کا ذوق ہو، درخواست کی جاتی ہے کہ وہ ان بیش بہا مضامین کی اشاعت کا انتظام اپنے ذمے لیں اور ثوابِ دارین حاصل کریں۔ قوم کی بڑی بدقسمتی ہو گی اگر ایسے فاضل علامہ کے افکار اور خیالات عوام الناس تک نہ پہنچ سکیں اور یہ ذخیرہ تلف ہو جائے۔ مولانا موصوف کی حیثیت مسلمانانِ عالم کے لئے فردِ واحد تھی جو اب ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئی۔ امید کی جاتی ہے کہ صاحبِ ذوق حضرات متوجہ ہوں گے اور اس عظیم اور بیش بہا علم کی قدر کریں گے۔

ادارہ

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

(اقبالؒ)